علامہ شبلی کے نام

اہل علم کے خطوط

مع ضمیمہ

مکاتیب مہدی حسن

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

علامہ شبلی کے نام

اہل علم کے خطوط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط

مع ضمیمہ مکاتیب مہدی حسن

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

نام کتاب	:	علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط
مصنف	:	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
صفحات	:	۲۳۶
طبع اول	:	جولائی ۲۰۱۳ء
ناشر	:	ادبی دائرہ، اعظم گڑھ
کمپوزنگ	:	عفت جہاں
طباعت	:	اصیلہ پریس، دہلی
قیمت	:	Rs:240/-
رابطہ	:	9838573645
ای میل	:	azmi408@gmail.com

ملنے کے پتے

- ادبی دائرہ، رحمت نگر عقب آواس وکاس کالونی، اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱
- مکتبہ دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، شبلی روڈ، اعظم گڑھ، یوپی، ۲۷۶۰۰۱
- ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، یوپی، ۲۰۲۰۰۲

www.drmiazmi.webs.com

تصویر علامہ شبلی نعمانی

آبروئے اردو

جناب شمس الرحمٰن فاروقی

کی نذر

ترتیب

ooo

سرآغاز

علامہ شبلی کی سیرت وشخصیت اوران کے علمی وادبی کارناموں کے مطالعہ پرایک صدی کا عرصہ گذر چکا ہے۔اس طویل عرصے میں چند اہم اوروقیع کتابیں سپرد قلم کی گئیں۔اس سلسلے کا ایک اہم کارنامہ مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیات شبلی ہے۔اس میں سوانح شبلی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلواور گوشہ ہو جو نظرانداز ہوا ہو۔یہ نہ صرف علامہ شبلی کی بلکہ اردو زبان میں لکھی جانے والی ضخیم اور مبسوط سوانح عمری ہے۔اس کی اشاعت کے بعد ہونا یہ چاہئے تھا کہ مطالعات شبلی کا ایک نیا سلسلہ قائم ہوتا اور علامہ شبلی کی متنوع اور ہمہ گیر شخصیت کے ان پہلوؤں کا جن کا ذکر حیات شبلی کے مصنف نے مختصر یا مبہم کیا تھا،ان کا مفصل جائزہ لیا جاتا اور دکھایا جاتا کہ اس برسے ہوئے بادل میں ابھی کتنی اور بجلیاں پوشیدہ ہیں،مگر بوجوہ ایسا نہ ہوسکا،بلکہ یہ موقر سوانح عمری نقادوں کے درمیان خاصی متنازعہ رہی۔چنانچہ اس کے خلاف نہ صرف تبصرے ہوئے بلکہ ایک مستقل کتاب[ذکرشبلی،امین زبیری] بھی لکھی گئی،جس میں حیات شبلی کی کمیوں اور کمزوریوں کے جائزے کے بجائے شبلی کی ذات کو مطعون کیا گیا۔اس سے مطالعات شبلی کی بعد کی بیشتر کوششیں خاصی متاثر رہیں۔حالاں کہ حیات شبلی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے فکر شبلی کے مطالعے و جائزے کا جذبہ ابھرتا اور پروان چڑھتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ جس شخصیت نے ہندوستان کے متعدد علمی،دینی،ادبی اور سیاسی حلقوں کو ۳۲-۳۳ربرس تک اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم اور نوا سنجیوں سے پرشور رکھا،اس کے اسباب ومحرکات کیا تھے۔وہ کیا چاہتا تھا اور کیوں کر چاہتا تھا۔مولانا سید سلیمان ندوی نے ان پہلوؤں کو بڑی خوبی اور مہارت سے نمایاں کیا ہے۔واقعہ یہ ہے

کہ حیات شبلی ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کا مجموعہ ہے۔خود راقم کو اسی کے مطالعے سے متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں، مکتوبات شبلی اور آثار شبلی کے خاکے اور منصوبے ذہن میں آئے ۔اور حقیقت یہ ہے کہ ان منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ''حیات شبلی'' نے بنیاد کے پتھر کا کام کیا ہے۔زیر نظر کتاب بھی اسی کے مطالعے سے بیدار خیال کا نتیجہ ہے۔

مکتوبات شبلی کی جمع وتدوین کے دوران بارہا خیال آیا کہ اہل علم نے علامہ شبلیؒ کے نام جو خطوط لکھے تھے، اگر وہ دستیاب ہو جائیں تو مکاتیب شبلی کا پس منظر بلکہ بعض پوشیدہ منظر بھی سامنے آجائے اور بہت سی ایسی باتیں بآسانی سمجھ میں آجائیں جن کا سمجھنا دشوار ہو رہا ہے۔ایک خیال یہ بھی تھا کہ علامہ شبلی کے حوالے سے بعض نئی باتوں کا انکشاف بھی ہوسکتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سوانح شبلی کے بعض ضمنی واقعات میں جن نقادوں نے رائی کو پروت بنایا ہے اور پروت کو رائی اور جن کا انحصار محض مکتوبات شبلی پر ہے، کم از کم ان کی اصلیت اور حقیقت ضرور واضح ہوجائے گی، مگر مشکل یہ تھی کہ ایک صدی بعد اہل علم کے وہ خطوط کہاں دستیاب ہوں گے۔؟

علامہ شبلی کا دائرہ کار اس قدر وسیع، متنوع اور ہمہ جہت تھا کہ ان کے نام اہل علم کے جو خطوط آئے انہیں محفوظ کرنے کا شاید انہیں خیال بھی نہیں آیا اور اگر آیا بھی ہو تو ان کا اثاثہ سوائے مسودہ سیرت کے بوجوہ محفوظ نہیں رہا۔آخری دور میں جب وہ ندوہ کے بام و در سنوارنے میں منہمک تھے اور ان کی زندگی کا مقصد از اول تا آخر ندوہ ہو گیا تھا، جسے وہ حفاظت واشاعت اسلام کا ایک قلعہ بنا کر مسلمانوں کی علمی و تعلیمی زندگی میں انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے، اس زمانہ میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کی ممتاز شخصیات سے ان کی کثرت سے خط وکتابت ہوئی، لیکن جب زمانہ چال قیامت کی چل گیا اور وہ ندوہ سے مستعفی ہوئے اور وطن کی طرف مراجعت کی تو ان کا اس طرح کا سارا اثاثہ لکھنو ہی میں رہ گیا۔مولانا سید سلیمان ندوی نے اس طرح کی کئی تحریریں اور خطوط وغیرہ دفتر ندوۃ العلما سے حاصل کر کے حیات شبلی میں شامل کئے ہیں۔

علامہ شبلی کی زندگی کا آخری دور بڑا الم ناک تھا۔ پہلے وہ بھائی [مسٹر محمد اسحاق وکیل ہائی

کورٹ الہ آباد] جوان کا دست و بازو تھا جواں مرگی کی نذر ہوا۔اسی دور میں بعض علماء نے ان کے خلاف ایک نہیں چار چار کفر کے فتوے تقسیم کئے۔ندوہ میں مخالفت کا ایسا طوفان اٹھا اور مخالفین اس قدر آمادہ پیکار ہوئے کہ انہیں مستعفی ہو کر اعظم گڑھ ہی میں پناہ ملی اور پھر چند ماہ بعد وہ راہی ملک عدم ہوئے۔بہر حال ان ناگفتہ بہ حالات میں ان کے نام کے خطوط محفوظ نہ رہ سکے ہوں گے۔اس لئے علامہ شبلی کے نام کے خطوط کی دستیابی ایک موہوم امید کے سوا کچھ نہ تھی،لیکن اسی موہوم امید کے سہارے تلاش و جستجو کا آغاز ہوا تو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ،ماہنامہ آج کل دہلی اور ماہنامہ ادیب علی گڑھ وغیرہ رسائل اور بعض کتابوں سے چند مطبوعہ خطوط ہاتھ آ گئے۔زیر نظر کتاب انہیں کا مجموعہ ہے۔

خطوط کی تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔اس سلسلے میں علامہ شبلی کے اساتذہ،بزرگ،احباب و معاصرین اور تلامذہ و منتسبین کے تقریباً تمام مجموعہ ہائے مکاتیب اور سوانحی کتب کی ورق گردانی کی مگر اس تگ و دو کے بعد بھی بہت کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

اردو کے مکتوباتی ادب کا دائرہ اگر چہ وسیع ہے مگر دست رس سے باہر نہیں،تاہم تلاش و جستجو کے ایک واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر[۱۸۷۸-۱۹۳۱ء] علامہ شبلی کے شاگرد تھے۔علی گڑھ میں انہوں نے شبلی[کے درس قرآن] سے فیض پایا تھا۔جس پر انہیں زندگی بھر ناز رہا۔مدۃ العمر شبلی سے ان کے گہرے روابط رہے۔انہوں نے یقیناً علامہ شبلی کے نام خطوط لکھے ہوں گے،مگر وہ کہیں دستیاب نہیں۔جناب معصوم عزیز کاظمی نے اپنی کتاب ''مولانا محمد علی جوہر ایک عہد ساز شخصیت''[مطبوعہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۲۰۱۱ء] میں لکھا ہے کہ محمد علی جوہر کے خطوط کا ''پہلا مجموعہ،محمد علی کے شب و روز کے معتمد عبدالماجد دریابادی نے مرتب کیا ہے،جسے نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔مجموعہ میں کل خطوط کی تعداد اکیس ہے۔یہ خطوط شبلی نعمانی،اکبر الہ آبادی،عبدالماجد دریابادی،ظفر الملک علوی اور سید محمد جعفری کے نام منسوب ہیں۔''[ص ۲۰۷]

چونکہ معصوم عزیز کاظمی صاحب نے کتاب کے نام کے سوا تمام تفصیلات درج کی ہیں، اس لئے ان سے رابطہ قائم کیا اور اس کی تفصیلات معلوم کیں، لیکن افسوس کہ وہ اس مجموعہ کی نشاندہی کرنے سے قاصر رہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی پر کام کرنے والے اہل علم اوران کے اعزہ بالخصوص ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی صاحب جنہوں نے مکتوبات ماجدی کی ۷؍جلدیں مرتب کی ہیں، انہوں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کے مرتب کردہ اس طرح کے مجموعہ سے لاعلمی ظاہر کی، مولانا عبدالماجد دریابادی کے نواسے جناب نعیم الرحمٰن صدیقی نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا۔ کتب خانہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، رام پور رضا لائبریری، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور بعض دیگر کتب خانوں میں بھی اس کتاب کا کچھ سراغ نہ لگ سکا۔ یہ تفصیل اور مذکورہ مجموعہ خطوط محمد علی کا ذکر اس لئے ضروری تھا کہ ممکن ہے یہ کہیں دستیاب ہو اور اہل علم اس کی نشاندہی کردیں۔ اور اگر یہ مجموعہ مرتب ہی نہیں ہوا ہے تو ہمیں جناب معصوم عزیز کاظمی کو ان کی جسارت کی داد دینی چاہئے۔

مکاتیب شبلی، خطوط شبلی اور مکتوبات شبلی میں علامہ شبلی کے اب تک کل ۱۰۹۴؍خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوبات شبلی کی اشاعت کے بعد علامہ شبلی کے کئی اور مکمل و نامکمل مطبوعہ خطوط دستیاب ہوئے۔ چونکہ ''مکتوبات شبلی'' کا پہلا ایڈیشن ابھی گذشتہ سال دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں تاخیر ہوگی، اس لئے وہ خطوط یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

[۱]

شیخ حبیب اللہ کے نام

''والد صاحب!

میں کسی کا خط کھولنا معیوب سمجھتا ہوں مگر مہدی کا خط مدت سے نہیں دیکھا تھا، علاوہ اس کے آپ کے نام کا خط مخفی راز ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ جرأت ہوئی۔

میں اب تک بیمار ہوں، شدت کا بخار ہر روز رہتا ہے۔ جنید کا بھی یہی حال ہے، میں کل اعظم گڑھ آ گیا ہوں، ڈاکٹر کا علاج ہوتا ہے۔''

شبلی

۱۷/اکتوبر ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ، جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۷]

[۲]

مولوی محمد سمیع کے نام

'' اپنے ارادہ سے جلد مطلع کرو، میں انشاء اللہ اسی مہینہ کے آخر میں روانہ ہو جاؤں گا،...... کشمیر میں جانے سے ممکن ہے کہ تمہارے ظاہری رنگ میں فرق آئے، یعنی نتواں شستن از زنگی سیاہی غلط ہو جائے۔''

شبلی

۱۰/اپریل ۱۸۹۲ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۱۷۱]

[۳]

مولوی محمد سمیع کے نام

میں غالباً ۲۳ یا ۲۴/دسمبر کو یہاں سے روانہ ہوتا ہوں، اگر تمہارا قصد اعظم گڑھ کا ہو تو انتظار کرو کہ میرا ساتھ ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو لکھ بھیجو۔ میں نے سر دست سال بھر کی رخصت لی ہے۔

والسلام

شبلی

علی گڑھ۔۵ر دسمبر ۱۸۹۶ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۲۶۲ حاشیہ]

[۴]

مولانا ابوالکلام آزاد کے نام

مکرمی!

آپ کا دلچسپ والا نامہ پہنچا۔

.... ترجمہ کا میں مخالف نہیں ہوں، گذشتہ تعلیم میں سرسید نے مجھ سے وہ عبارت بہ جبر لکھوادی تھی، میں نے سخت انکار کیا تھا لیکن ان کا اصرار غالب آیا، میں تو ترجمہ کو اصل علمی خدمت سمجھتا ہوں بلکہ انشاءاللہ اس کا ایک باضابطہ سررشتہ قایم کروں گا۔

شبلی

۲۲ر مارچ ۱۹۰۳ء

[ماخذ: لسان الصدق، اگست ستمبر ۱۹۰۴ء، عبدالقوی دسنوی ص ۲۰۰-۲۰۱]

[۵]

نامعلوم

رخصت ملنے کی توقع نہیں اس لئے شاید کلکتہ نہ پہونچ سکوں لیکن ایک مرتبہ ندوہ میں اعلان کر دیجئے کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ سب چھوڑ چھاڑ کر ندوے کے آستانے پر آبیٹھوں اور اپنی تمام عمر اس کی خدمت میں صرف کر دوں۔

شبلی

[ماخذ: روداد اجلاس ہفتم ندوۃ العلماء دسمبر ۱۹۰۱ء ص ۱۰]

[٦]

نامعلوم

حامد کے مفرور ہونے کا قصہ تم نے پہلے سنا ہوگا، ۱۱/اپریل کو میرے پاس ان کا خط آیا کہ ''مجھ کو اب بھول جایئے'' اس خط سے اس قدر پریشانی ہوئی کہ میں بالکل بدحواس ہو گیا، چار وقت تک کھانا نہ کھایا گیا اور ہر وقت رویا کرتا تھا۔

اسی اثنا میں شادی کی تاریخ آئی، لوگوں کو اصرار تھا کہ تاریخ نہیں ٹالنی چاہیے لیکن مجھ کو دل پر قابو نہ تھا، نہ جا سکا۔ ادھر مہمان وغیرہ آچکے تھے اور اس وجہ سے ان لوگوں کی بہت سبکی ہوئی۔ وہاں سے سمیع آئے کہ اعظم گڑھ ہی میں نکاح ہو جائے، میں اس پر بھی راضی نہ ہوا، البتہ زیور اور کپڑا بھیج دیا کہ بعد طبیعت ٹھہرنے کے عقد ہو جائے گا۔

میاں حامد چند روز دربھنگہ میں رہ کر وہاں سے بھی کہیں چل دیے اور بالکل پتہ نہیں اور غالباً مہینوں پتہ نہ لگے۔''

شبلی

۲۱/اپریل ۱۹۰۰ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۲۸۳-۲۸۴]

[۷]

نائب ناظم ندوہ کے نام

جناب من! السلام علیکم

جلسۂ انتظامیہ مورخہ ۱۴/جون ۱۹۱۴ء کا ایجنڈا پہنچا۔ اس زمانہ میں غالباً میں ان اطراف میں نہ رہوں گا، میری صحت اب اس کی مقتضی نہیں کہ میں سیرت نبوی

کے سوا زیادہ تر اور کسی طرف متوجہ ہوسکوں، بعض ضروری امور گزارش ہیں:

۱- جلسۂ دہلی کے متعلق میری رائے ہے کہ اس کا منشا ارکان ندوہ کی توہین یا شکست نہ تھی، بلکہ صرف یہ تھی کہ چوں کہ تین چار دفعہ خود ندوہ کے مختلف اور متعدد ارکان کی طرف سے اصلاح کی کوشش ہوچکی، مولوی عبدالباری صاحب اور میرزا ظفر اللہ خاں صاحب کے خطوط مطبوعہ اور یادداشت مطبوعہ سب کے پیش نظر ہیں، باوجود اس کے کوئی توجہ نہیں دی گئی، اس لیے بعض لوگوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ یہ مسئلہ پوری قوم کے سامنے لایا جائے، لیکن بعض لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ [اس کا مقصد] کسی شخص کو معتمد یا ناظم بنانا ہے، یا موجودہ کارکن صاحب کو برطرف کرانا ہے، اس لیے نہایت فریق بندانہ جوش پیدا ہوا، لیکن جلسہ میں ایک حرف ان امور کے متعلق نہیں کہا گیا، صرف چند اصحاب منتخب ہوئے کہ دستور العمل کے اصلی نقائص اور اس کی عدم پابندی کے متعلق اصلاحی اسکیم مرتب کریں، یہ اسکیم غالباً خود ارکانِ ندوہ کے سامنے پیش ہوگی، اس بنا پر جلسۂ دہلی کی کارروائی کے ساتھ مخالفت کی بہ ظاہر وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ندوہ اب بالکل نئے سرے سے باقاعدہ ہونے کا محتاج ہے۔

۲- مولوی عبداللہ صاحب کی رپورٹ متعلق اسٹرائیک دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اس میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کی شہادت صرف خدائے عالم الغیب پر محمول ہے، مولانا عبداللہ صاحب نے ایک نہیں متعدد دفعہ مجھ سے صحیح بخاری کے سبق روکنے پر اپنی مجبوری بیان کی اور کہا کہ میں کیا کروں؟ ناظم صاحب سے متعدد دفعہ نماز کے اوقات میں مسجد میں ملاقات ہوتی ہے اور وہ ہر دفعہ مجھ سے کہتے ہیں کہ بخاری پڑھنے والے لڑکوں کو خارج کردیا یا نہیں لیکن اب تک میں نے نہیں خارج کیا'' میں نے کہا کہ آپ ان سے حکم لکھوا لیجیے، اس پر فرمایا

کہ وہ باہر چلے گئے ہیں، آئیں گے تو میں لکھواؤں گا'' پھر یہ بھی کہا کہ ان کے واپس آنے تک لڑکے اگر بخاری پڑھیں تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔

اب اگر مولانا موصوف ان واقعات سے منکر ہوں تو خدائے عالم الغیب کے سوا اور کون اس کا فیصلہ کرنے والا ہے؟

باقی قانونی حیثیت سے تو اس کی یہ کیفیت ہے کہ ندوہ جب سے قائم ہے، لڑکے باہر اساتذہ وغیر اساتذہ سے پڑھتے تھے، خود اس زمانہ میں جب یہ واقعہ پیش آیا، بہت سے لڑکے اور اسباق ......مثلاً خلیل صاحب [شیخ محمد عرب صاحب کے فرزند] سے......کیں، بخاری شریف کے سبق کے متعلق چوں کہ مولانا نے براہِ راست مجھ کو مخاطب کیا ہے، اس لیے یہ چند سطریں لکھنی پڑیں۔

۳- اسی رپورٹ میں میرے دارالاقامہ کے تعلق کا بھی ذکر ہے، اس کے متعلق کوئی شکایت ہے، تو میں اس کا ذمہ دار ہوں لیکن دارالاقامہ میری نگرانی میں کبھی براہِ راست نہیں رہا جو مہتمم ہوتا تھا، اسی سے اس کا تعلق رہتا تھا۔ یہ امور ضابطہ کی حیثیت سے لکھے گئے:

خاص طور پر میری یہ گزارش ہے کہ بہ جائے اس کے کہ باہمی مخالفت میں دو قوتیں ہمیشہ ٹکراتی رہیں، اسلامی (مصالح) کا یہ اقتضا ہے کہ دو تین شخصوں کو حکم مان کر تمام معاملات ان کے ہاتھ میں دے دیجیے جو فیصلہ وہ لوگ کریں سب منظور کرلیں، پھر وہ جلسۂ انتظامیہ میں باقاعدہ منظور ہوجائے، ورنہ تمام ہندوستان میں ہم سب کی سخت تضحیک ہوچکی اور ہوتی رہے گی، اس وقت اس بحث سے بھی قطع نظر کیجیے کہ جھگڑا کہاں سے شروع ہوا، کیوں کہ ہر فریق یہی سمجھتا ہے کہ دوسرا فریق برسرِ ناحق ہے، ایسے اشخاص خود ندوہ میں موجود ہیں، جن کی دیانت پر فریقین کو اعتماد ہے۔''

ممبروں کی خالی شدہ جگہوں کے لیے اشخاصِ ذیل موزوں ہیں:

ڈاکٹر ناظرالدین حسن (بیرسٹر)

مسٹر ممتاز حسین (بیرسٹر)

مولوی آزاد صاحب سبحانی کان پور

مولوی سید سلیمان پونہ، دکن

شبلی

۲۵ر مئی ۱۹۱۴ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۵۱۰-۵۱۲]

[۸]

مولانا سید عبدالحی کے نام

جناب مولانا سید عبدالحی صاحب

یہ امر اب مخفی نہیں رہا کہ ارکان ندوہ میں سخت نا چاقی ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور جس کا اثر اب اعلانیہ پڑنے لگا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی آج تک یہ قصد نہیں کیا گیا کہ ناراض اصحاب آپس میں مل بیٹھ کر شکایتوں کا باہم اظہار کریں اور جس کی شکایت ہے وہ اپنا جواب پیش کرے، مجھ کو یقین ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور بہت سی شکایتیں رفع ہوگئی ہوتیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگوں میں کوئی خاندانی عداوت نہیں ہے، اس لئے ذاتی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں، ہم لوگوں کو رو در رو تمام شکایتوں کو حل کر لینا چاہئے اور ایک طریقہ کارروائی آئندہ کے لئے منضبط کر لینا چاہئے ،اس بنا پر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ دو تین دن کے اندر تمام معتمدین اور نائب ناظم صاحب کو ایک معین وقت میں تشریف لانے کی تکلیف دیں، میرا خیال ہے کہ صلح سے لڑائی کی بہ نسبت زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، جو قوت آپس کی

مخالفت میں کئی سال سے صرف ہورہی ہے، یہ ندوہ کی ترقی اور قوت میں صرف ہوگی۔

شبلی

۷/نومبر ۱۹۱۰ء، ۴/ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ

[ماخذ: تاریخ ندوۃ العلماء حصہ دوم۔صفحہ ۶۸]

[۹]

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام

''عزیز مرحوم کے واقعہ نے مجھ پر اس قدر سخت اثر کیا کہ تمام عمر کبھی نہیں ہوا تھا، حالاں کہ مہدی مرحوم کا واقعہ اسی درجہ کا گذر چکا تھا، بہر حال میں اعظم گڑھ چلا آیا، محمڈن شبلی اسکول جو ۳۰/برس ہوئے میں نے قائم کیا تھا، ہائی اسکول سے مڈل اسکول تک آ گیا، عزیز مرحوم اس کو انٹرنس تک پہنچانا اور تمام برادری کے قصبات میں اسکول اور مکاتب قائم کرنا چاہتے تھے، دو مہینے کا دورہ رکھا تھا اور پانچ سو روپے مصارف دورہ کے لیے الگ کر دیے تھے، اشتہارات اور رسید یہاں سب چھپ گئی تھیں۔ مجھ کو اس کام کے علاوہ دار المصنّفین اور دار التکمیل کی فکر ہے، ندوہ میں کام کرنا ممکن نہ تھا، ۶ برس تک کشاکش میں گزرے، جو ہوگیا وہ تعجب انگیز ہے، بہر حال صورت موجودہ یہ ہے کہ اسکول کے پاس ہی میرا اور میرے خاندان کا باغ ہے، جس کا کل رقبہ گیارہ بیگہ پختہ ہے، اس کو وقف کر رہا ہوں، اور شرکا بھی راضی ہو گئے ہیں، مسودہ لکھا جا چکا، رجسٹری کرانا ہے، دو بنگلے پہلے سے موجود ہیں، کتب خانہ [دوبارہ] بقدر معتد بہ مہیا ہو گیا ہے اور بڑھتا جاتا ہے، دفتر سیرت کا کل سرمایہ اس طرف منتقل ہو جائے گا بلکہ صرف کتب خانہ کے لیے کافی ہوگا اور دار المصنّفین کی عمارت کے لیے کچھ اضافہ

ہوگا، چاہتا ہوں کہ اس کے چار کمرے چار عناصر اردو کے نام سے تعمیر ہوں اور عمارت پر تمام موجودہ معززین ارباب قلم کے نام کندہ ہوں، چندہ مشروط نہیں، ہر صاحب قلم چندہ دے بھی نہیں سکتا، اس کے ساتھ دارالتکمیل کھول رہا ہوں، یعنی ادب اور تفسیر کی تکمیل کے طلبہ کو تیار کروں، دو مددگار ہوں گے، انتہائی صفوں کو خود پڑھاؤں گا، سردست طلبائے تصنیف کی تعلیم کا یہ طریقہ ہوگا کہ پہلے چھوٹے چھوٹے عنوانات اوران کے متعلق ذخیرۂ معلومات اور کتابیں ان کو دی جائیں گی، جو کچھ لکھیں گے، اس کا عیب و ہنر بتایا جائے گا، پھر پمفلٹ، رسالے اور پھر تصانیف کرائی جائیں گی، وظائف تصنیفی مقرر ہوں گے جو کم از کم ۲۰، ۲۵ روپے ماہوار ہوں گے، دستاویز کی رجسٹری ہوجائے تو باغ کی کانٹ چھانٹ اور عمارت کی داغ بیل ڈالی جائے، ایک کمرہ مرحوم کے نام سے بھی تعمیر کرانا مقصود ہے، یہ آخر عمر کا خواب ہے اور امید ہے کہ: ع

چوں ہنر ہائے دگر موجب حرماں نہ شود

نواب عمادالملک نے دارالمصنّفین کی صدر انجمنی قبول کر لی ہے۔ تکمیل دستاویز کے بعد انجمن کے قواعد اور ممبروں اور عہدہ داروں کے نام شایع ہوں گے،

والتسلیم

شبلی

۱۶/اپریل ۱۹۱۴ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۵۱۸-۵۱۹]

سیرۃ النعمان کی تصنیف کے زمانہ میں دو فقہی مسائل کے سلسلے میں علامہ شبلی نے اپنے استاذ مولانا محمد ارشاد حسین مجددی رام پوری کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ خط اور اس کا جواب فتاویٰ ارشادیہ حصہ اول میں شامل ہے۔ اسے غالباً استفتاء سمجھ کر نظر انداز کیا گیا اور وہ کسی مجموعہ مکاتیب میں شامل نہیں۔ خود میں نے بھی یہی خیال کیا اور اسے مکتوبات شبلی میں شامل نہیں کیا۔ حالاں کہ وہ

قطعی طور پر ایک خط ہے۔ مولانا ارشاد حسین مجددی نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے اسے زیر نظر مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے، اس کے پس منظر میں علامہ شبلی کا وہ خط بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس سے فقہی مسائل میں علامہ شبلی کے غور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان مکتوبات کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی نے چند مراسلے بھی لکھے ہیں۔ مثلاً ندوہ کے ایک اجلاس اور سیرۃ النبی کی تالیف کے سلسلے میں دو مراسلے کئی اشخاص کے نام مکاتیب شبلی اور مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔ اس طرح کے دو اور مراسلے ہیں، ان میں ایک ''اوقاف اسلامی'' کے نام سے مقالات شبلی جلد ہشتم میں شامل ہے، جبکہ دوسرا مراسلہ ترکوں کی اعانت کے سلسلے میں ہے۔ اسے علامہ شبلی نے ۱۷؍نومبر ۱۹۱۲ء کو اخبارات میں شائع کرایا تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اسے حیات شبلی میں نقل کیا ہے۔ [حیات شبلی ص ۶۳-۴۶۳، طبع: ۲۰۰۸ء]

علامہ شبلی نے ایک اور مراسلہ مامون کے انتخاب پر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی ردوقدح کے جواب میں اور ایڈیٹر آزاد لکھنو [شوق قدوائی] کے اصرار پر لکھا تھا جواب مقالات شبلی جلد ہشتم میں شامل ہے۔ طوالت کے سبب انہیں یہاں نقل نہیں کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ خطوط و مراسلات کی شمولیت سے علامہ شبلی کے مطبوعہ مکاتیب کی تعداد [۱۱۰۶] ہو جاتی ہے۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتیب شبلی کا تقریباً آدھا حصہ جوابی خطوط پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے کم از کم اتنے ہی خطوط علامہ شبلی کے نام بھی لکھے گئے ہوں گے۔ اس کے مقابلہ میں زیر نظر کتاب محض چند خطوط کا مجموعہ ہے، لیکن عدد اور ظہور میں کم ہونے کے باوجود یہ خطوط کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ ان سے بعض نئی معلومات سامنے آتی ہیں اور کئی اہم امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً علامہ شبلی اڈنبرا اسلامک سوسائٹی کے اعزازی صدر تھے۔ ان سے ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر کے لوگ خط و کتابت کرتے تھے، حتیٰ کہ خواتین بھی انہیں بے جھجھک خطوط لکھا کرتی تھیں۔ ملت کے مختلف النوع مسائل پر ان سے مشورے کئے جاتے تھے۔ وہ اگرچہ ندوہ کے معتمد تعلیم تھے مگر لوگ اس کے اجلاسوں میں شرکت اور عدم شرکت کی اطلاع انہیں دیا کرتے تھے۔ اور اہم امور میں انہیں سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ ماہنامہ الندوہ میں ندوہ کے فکر و خیال کے ترجمان

تھےاور جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اس کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے۔

نیز ان مکتوب نگاروں سے شبلی کے ربط وتعلقات کی نوعیت، انداز گفتگو، طرز تحریر اور مسائل پر غور وفکر کے طریقہ کار وغیرہ کا بھی ایک منظر سامنے آجاتا ہے۔ علامہ شبلی کے بھائی محمد مہدی حسن کے خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ابن فرید نے ایک خط کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''علامہ شبلی کے مکتوب بنام مولوی محمد سمیع مرقومہ ۶ ؍مارچ ۱۸۹۶ء کا پس منظر بھی مہدی کے خطوط سے واضح ہوتا ہےاور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے کسی تسامح کی بنا پر اس کا سنہ ۱۸۹۶ءلکھ دیا ہے یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ ورنہ حقیقتاً یہ خط ۱۸۸۶ء کا معلوم ہوتا ہے۔''

[ادیب علی گڑھ، جولائی اگست ۱۹۶۳ء۔ص ۱۰]

بہر حال ان خطوط کی اپنی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اس مجموعہ میں جن مکتوب نگاروں کے خطوط شامل ہیں، وہ کئی طبقہ اور فکر وخیال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں شبلی کے خورد و بزرگ بھی ہیں اور معاصر بھی، استاذ بھی ہیں اور شاگرد بھی، گھر کے لوگ بھی ہیں اور باہر کے بھی، عورت بھی ہیں اور مرد بھی، ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی، اہل سیاست بھی ہیں اور غیر سیاسی بھی، غرض ان مکتوب نگاروں کی شخصیت اور دائرہ فکر وعمل متنوع اور گوناگوں ہے۔ جس سے علامہ شبلی کے دائرہ فکر وعمل کی گوناگونی کا بھی کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ شبلی ۱۶؍برس [۱۸۸۳-۱۸۹۸ء] سرسید کے ساتھ رہے۔ دونوں میں خورد و بزرگ کا تعلق رہا۔ سرسید احمد خاں کے اگرچہ محض ۳؍خطوط مل سکے ہیں مگر اس سے ایک اہم مسئلے پر روشنی پڑتی ہے۔ سرسید اور شبلی بلکہ شبلی و علی گڑھ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ شبلی مخالف سرسید اور علی گڑھ قرار پائے، مگر دوسرے شواہد کے علاوہ ان خطوط اور ان کے طرز واسلوب سے بھی خود بخود اس کی تردید ہوجاتی ہے۔

اسی طرح شبلی و ابوالکلام آزاد کے تعلقات پر بعض اہل قلم نے حاشیہ آرائی کی ہے۔

لیکن یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ امام الہند جب محض ۱۵ رسال کی عمر میں لسان الصدق نکال رہے تھے۔اس وقت انہیں ملک کے جن مشاہیر اہل قلم کی سرپرستی حاصل تھی ان میں علامہ شبلی کا نام سرفہرست ہے۔[لسان الصدق ،اپریل،مئی ۱۹۰۵ء] علامہ شبلی کے نام مولانا آزاد کے ۴رخطوط اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حاشیہ آرائی کرنے والوں کو اصل متن سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے۔تقریباً اسی طرح کا منظر نامہ عطیہ فیضی کے خطوط سے بھی سامنے آتا ہے۔ان کے دوخط اس میں شامل ہیں۔

علامہ شبلی کے استاذ مولانا فاروق چریا کوٹی ندوہ میں استاذ تھے۔علامہ شبلی جب ندوہ کے معتمد تعلیم نامزد ہوئے تو انہوں نے ندوہ کو خیر باد کہہ دیا اور وطن چلے آئے۔اس واقعہ کے پس منظر میں بعض لوگوں نے ان کے مراسم پر سوالیہ نشان لگایا،اس میں اگر چہ ذرہ برابر بھی سچائی نہیں تاہم زیرنظر مجموعہ میں شامل ان کے عربی خطوط سے ان کی اپنے شاگرد عزیز شبلی سے غایت محبت کا علم ہوتا ہے۔اسی طرح مولانا حالی سے شبلی کی معاصرانہ چشمک کا ذکر مہدی افادی سے شیخ محمد اکرام تک کئی اہل قلم نے مختلف انداز میں کیا ہے،مگر مولانا حالی کے خطوط بنام شبلی سے ان کے خیالات صحیح ثابت نہیں ہوتے ، بلکہ انتہائی محبت آمیز مراسم سامنے آتے ہیں۔

شبلی شناسی کے حوالے سے جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کا یہ کارنامہ یادگار رہے گا کہ انہوں نے ''مکاتیب شبلی'' کی جمع وتدوین کا آغاز کیا اور جب دارالمصنّفین سے اشاعتی سلسلے کا آغاز ہوا تو اسے دوجلدوں میں علی الترتیب ۱۹۱۶ء،۱۹۱۷ء میں شائع کیا۔راقم نے ''کتابیات شبلی'' اور''مکتوبات شبلی''میں ''مکاتیب شبلی'' کی اشاعت اول معارف پریس اعظم گڑھ سے درج کی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔حال ہی جناب افضال عثمانی صاحب [امریکہ] کو حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ملا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کا پہلا ایڈیشن شاہی پریس لکھنو میں طبع ہوا تھا،البتہ مکاتیب شبلی کا دوسرا حصہ معارف پریس اعظم گڑھ میں طبع ہوا ہے۔ناظرین تصحیح کرلیں۔

مکاتیب شبلی کے ابتک کل تین ایڈیشن دارالمصنّفین نے شائع کئے ہیں۔ پہلے دونوں

ایڈیشن خود مرتب مولانا سید سلیمان ندوی نے شائع کئے تھے۔ تیسرا ایڈیشن گذشتہ سال شائع ہوا ہے۔اس طبع جدید میں تاریخ وسنہ کے وہ متعدد اغلاط جو طبع اول و دوم میں تھے جوں کے توں باقی ہیں۔حالاں کہ خود سید صاحب نے اس طرح کے دسیوں اغلاط کی نشاندہی اور تصحیح ۱۹۴۳ء میں حیات شبلی میں کردی تھی،اس کے بعد انہیں موقع نہیں ملا ،ورنہ وہ ضرور مکاتیب شبلی کے نئے ایڈیشن تصحیح اغلاط کے بعد شائع کرتے۔یہ ذمہ داری دارالمصنّفین کے ذمہ داروں کی تھی کہ وہ سید صاحب کے بعد اس کا محقق ایڈیشن شائع کرتے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں درج ذیل مقامات پر مکاتیب شبلی کی غلط تاریخوں کی تصحیح کی ہے:

۱۔	ص ۲۶۳	حاشیہ
۲۔	ص ۲۷۳	حاشیہ
۳۔	ص ۲۸۸	حاشیہ
۴۔	ص ۳۰۰	حاشیہ
۵۔	ص ۳۰۱	حاشیہ
۶۔	ص ۳۰۱	حاشیہ
۷۔	ص ۳۰۴	حاشیہ
۸۔	ص ۳۲۰	حاشیہ
۹۔	ص ۳۲۰	حاشیہ
۱۰۔	ص ۳۲۶	حاشیہ
۱۱۔	ص ۳۲۷	حاشیہ
۱۲۔	ص ۳۷۶	حاشیہ

جن اہل قلم نے مکاتیب شبلی کا مطالعہ وجائزہ لیا انہوں نے بھی تاریخ وسنہ کے مذکورہ اغلاط کی طرف توجہ نہیں دی،حالانکہ یہ اغلاط خود ایک مقالہ ومطالعہ کے متقاضی تھے۔آئندہ مکاتیب شبلی کی اشاعت،تاریخی ترتیب اورسوانح شبلی کے مطالعہ وتجزئے میں حیات شبلی کی ان

تصریحات وتصحیحات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

غرض علامہ شبلی کے نام اہل علم اور ارباب کمال کے یہ خطوط مختلف جہات پر مشتمل ہیں اور شبلی اور مکاتیب شبلی کی تفہیم وتوضیح کے ایک اہم وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس میں جن مکتوب نگاروں کے خطوط جمع کئے گئے ہیں ان کی تعداد ۲۶/ ہے۔٦/ خطوط عربی میں، ایک خط فارسی میں اور بقیہ تمام خطوط اردو میں ہیں۔ مولانا فاروق چریا کوٹی اور مولانا حمیدالدین فراہی کے عربی خطوط کا ترجمہ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مرحوم کے قلم سے ہے جبکہ جرجی زیدان کے خط کا ترجمہ مدینہ یونیورسٹی کے ایک فاضل ڈاکٹر محمد عارف عمری نے کیا ہے۔

اس میں دو ضمیمے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ پہلا ضمیمہ خواجہ الطاف حسین حالی کا ایک خط ہے جو انہوں نے شبلی کے واقعہ گزند پا پر حامد حسن نعمانی کے نام لکھا تھا۔ اور دوسرا ضمیمہ علامہ شبلی کے بھائی محمد مہدی حسن بیرسٹر [م:۱۸۹۷ء] کے ان خطوط پر مشتمل ہے جو انہوں نے سفر لندن کے دوران اور لندن کے زمانہ طالب علمی میں اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ مجیب اللہ اور بھائی علامہ شبلی نعمانی کو لکھے تھے۔ شیخ محمد اکرام کی خواہش تھی کہ ان کو شائع ہونا چاہئے، ان کی یہ خواہش اب پچاس برس بعد پوری ہو رہی ہے۔

اس میں دو مضامین بھی شامل کئے گئے ہیں۔ ایک میں علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ کی شخصیت اور ان کی تعلیمی و رفاہی تگ ودو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور دوسرا مضمون مہدی اور مکاتیب مہدی کے ذکر پر مشتمل ہے۔

مکتوبات شبلی کی جمع وتدوین میری متاع ذوق ونظر کا نتیجہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے ترتیب وتدوین کے اصولوں سے کما حقہ واقفیت نہیں، محض اس طرح کے کاموں کو بنیاد بنا کر انہیں مرتب کیا تھا اور متن کی تصحیح وترتیب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ حوالے کا بھی خصوصی اہتمام کیا تھا۔ توضیحی حواشی اور فٹ نوٹ بھی لکھے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں بعض کمیاں رہ گئی تھیں،

جن کا مجھے سرے سے اندازہ نہیں تھا۔ متعدد مبصرین نے اس پر تبصرے کئے مگر کمپوزنگ کی چند غلطیوں اور بعض توضیحات کے سوا کسی نے ترتیب و تدوین کی ان کمیوں کی نشاندہی نہیں کی۔ میں آبروئے اردو جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے مکتوبات شبلی کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا اور اس کی تدوینی اور تحقیقی کمیوں کی نشاندہی اس طرح کی جس طرح شفیق بزرگ اپنے عزیزوں کی اصلاح مشفقانہ انداز میں کیا کرتے ہیں۔ فاروقی صاحب کی اس محبت کو میں اپنے لئے قابل فخر اور سعادت کی بات سمجھتا ہوں۔ ان کے لازوال کارنامے اور عظیم الشان ادبی و تنقیدی خدمات ہماری تاریخ کا حصہ ہیں، جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے مکتوبات شبلی پر مجھے جو خط لکھا ہے اسے طوالت کے باوجود یہاں نقل کرتا ہوں کہ یہ نہ صرف میرے لئے بلکہ اس طرح کے کام کرنے والے محققین کے لئے مشعل راہ ہوگا۔

۱۶ اپریل ۲۰۱۳ء

برادرم الیاس الاعظمی، سلام علیکم۔

کچھ دن پہلے آپ کی کتاب ''مکتوبات شبلی'' ملی تھی، بہت خوشی ہوئی۔ شکریہ۔ آپ اس زمانے کے ان چند لوگوں میں سے ہیں جو دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ علامہ مرحوم کے ان خطوط کی تدوین بھی آپ کے اچھے کاموں میں گنی جائے گی۔ یہ ضرور ہے کہ اس کام میں بہتری کی مزید گنجائش ہے۔ ایک تو یہ کہ عربی عبارتیں جو جگہ جگہ خطوط میں آئی ہیں ان کا ترجمہ دینا چاہئے تھا۔ دوسری بات یہ کہ آپ نے جگہ جگہ مفصل حاشیے لکھے ہیں، خاص کر رجال پر آپ نے بہت محنت کی ہے۔ لیکن کئی مقام ایسے آئے ہیں جہاں علامہ کے خط کے بین السطور پر بھی آپ کو کلام کرنا چاہئے تھا۔ مثلاً یہ کہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے نام پہلے ہی خط میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ علامہ اور مولانا مونگیری کے درمیان کچھ چھوٹی موٹی غلط فہمیاں یا آپسی شکایتیں بھی تھیں۔ چنانچہ مولانا مونگیری کے پہلے خط کا کچھ پس منظر آپ کو پہلے بیان کرنا چاہئے تھا۔ پھر یہ کہ ایک طرف تو

آپ نے امام بخاری پرتقریباً پورا صفحہ لکھا اور دوسری طرف امام مسلم کے بارے میں جن کی صحیح کا حوالہ علامہ کے خط میں ہے ان پر آپ نے کوئی تفصیل نہیں لکھی۔ مولوی بشیر الدین کے نام خط میں صفحہ ۶۴ پر جو جملہ ہے ''ندوہ کی ہمدردی پر بعض حامیان کالج مجھ کو رقیبانہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔'' اسی صفحے پر علامہ نے صاف صاف شکایتیں مولوی بشیر الدین کے طرز عمل کے خلاف کی ہیں لیکن آپ نے ان عبارتوں پر کوئی بھی توجہ نہیں کی۔ صفحہ ۸۷ پر علامہ نے لکھا ہے کہ ''آج کل پروفیسری کے لئے معقول تنخواہ پر بلایا ہے۔'' یہ اشارہ غالباً علی گڑھ کی طرف ہے۔ آپ نے اس پر کوئی تفصیل نہیں لکھی۔ اسی صفحے پر آپ نے ''اہل خانہ'' پر حاشیہ نمبر ۱۳ لگایا ہے اسے ۱۴ ہونا چاہئے تھے۔ اسی صفحے پر علامہ کے پاؤں کے حادثے کا ذکر ہے۔ مگر آپ نے اس پر کوئی نوٹ نہیں لگایا۔ صفحہ ۱۰۱ پر علامہ نے ''انجمن'' کو مذکر لکھا ہے، یہ صراحت ضروری تھی کہ اصل میں یوں ہی ہے۔ یعنی علامہ ''انجمن'' کو مذکر لکھتے تھے۔ اسماء رجال پر اتنی محنت کرنے کے باوجود آپ نے مولوی حمید الدین (صفحہ ۱۰۹) پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ اسی طرح عبدالحی کو ۱۰۸ صفحہ پر مع ہمزہ لکھا ہے۔ امید ہے یہ کتابت کی غلطی ہوگی۔ کیونکہ آپ کے حاشیے میں بھی [صفحہ ۱۱۰] اور صفحہ ۱۵۲ پر یوں ہی ہے۔ گمان گذر سکتا ہے کہ علامہ سے سہو قلم ہو گیا ہوگا۔ کتابت کی ایسی غلطی افسوس ناک ہے۔ اس صفحے پر مولانا عبدالحی کے نام جو خط ہے اس کو بھی حاشیے کی ضرورت تھی۔

صفحہ ۱۴۱ پر نواب سید علی حسن خاں کے خط میں علامہ لکھتے ہیں ''آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں۔'' اس پر آپ نے کوئی حاشیہ نہیں دیا۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں اس اطلاع کا ماخذ کیا ہے۔

مولانا عبدالباری کے نام جو خط صفحہ ۱۶۲ پر ہے اس پر آپ کی طرف سے حاشیہ

بہت ضروری تھا۔ اس خط کی تاریخی اور سوانحی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔
(برسبیل تذکرہ، اس صفحے پر بھی عبدالحی جہاں جہاں لکھا ہے مع ہمزہ لکھا ہے۔)
صفحہ ۱۷۱ پر نظام المشائخ مع یائے تحتانی لکھا ہے، یہ آپ کا املا ہے یا علامہ کا؟ اسی خط میں یہ جملہ بالکل سمجھ میں نہیں آیا "کیا آپ کچھ فیض انگیز یاد دلائیں گے۔"
صفحہ ۱۹۱ پر عربی عبارت حسب معمول بے ترجمہ ہے اور نسخ کے بجائے نستعلیق میں لکھی ہوئی ہے۔ صفحہ ۱۹۴ پر عربی کا شعر ہے، بے ترجمہ۔ صفحہ ۱۹۸ پر "گئے" کو "گیے" لکھا ہے۔ یہ کس کا املا ہے؟ علامہ کا؟ صفحہ ۲۰۵ پر عبدالوہاب بہاری پر جو حاشیہ ہے اس میں صرف وہی بات کہہ دی گئی ہے جو علامہ نے اپنے خط میں کہی ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود کتاب بہت کارآمد ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ دو چار دن ہوئے آپ کی ایک کتاب اور ملی ہے شکریہ۔ اس کی رسید الگ سے لکھوں گا، انشاءاللہ۔

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی

اس مجموعہ مکاتیب کی ترتیب و تدوین میں راقم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ محترم جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے مکتوبات شبلی کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں جن امور کی نشاندہی کی ہے، وہ نظر انداز نہ ہونے پائیں، تاہم میری اس طالب علمانہ کوشش میں بعید نہیں کہ اب بھی بہت سی کمیاں اور خامیاں ہوں، اس کے لئے اہل علم سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

اس میں جن مکتوب نگاروں کے خطوط شامل ہیں یا جن اشخاص کا ذکر ضمناً آیا ہے حواشی میں ان کا تعارف اور علامہ شبلی سے ان کے تعلقات کی نوعیت واضح کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس میں محض ان پہلوؤں کا ذکر ہو جن کا تعلق شبلی اور مطالعات شبلی سے ہے۔ اس لحاظ سے

اس میں بعض نئی معلومات شامل ہیں۔اسی طرح خطوط میں جو باتیں مبہم تھیں ان کی توضیح دیگر مصادر سے حواشی میں کردی گئی ہے اوران کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے۔ مکاتیب شبلی ،خطوط شبلی اور مکتوبات شبلی سے بعض خطوط کا پس منظر کا اوران کے جوابات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے ۔غرض امکانی حدتک تحقیق وتدقیق کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا ہے۔

شبلی شناسی کے حوالے سے اب تک میری پانچ کتابیں[۱] متعلقات شبلی ۲۰۰۸ء[۲] کتابیات شبلی ۲۰۱۱ء[۳] شبلی سخنوروں کی نظر میں ۲۰۱۲ء[۴] مکتوبات شبلی ۲۰۱۲ء[۵] آثار شبلی ۲۰۱۳ء شائع ہوچکی ہیں۔ یہ چھٹی کوشش ہے۔ یقین ہے دیگر مطبوعات کی طرح یہ بھی شبلی شناسی کے میدان میں ایک مفید کوشش ثابت ہوگی۔

برسوں ریزہ ریزہ جمع کرنے ،حواشی وتعلیقات لکھنے اوراشاریہ تیار کرنے کے بعد آج یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے،اس کی تکمیل پر میں اپنے رب کے حضور سراپا شکر وسپاس گذار اور سجدہ ریز ہوں کہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔

اس مجموعہ کے جمع وترتیب میں پیکر شرافت پروفیسر ظفرالاسلام اصلاحی ،ڈاکٹر محمد عارف عمری ، پروفیسر ظفر احمد صدیقی ،ڈاکٹر مظفر عالم ندوی ، ڈاکٹر محمد شکیل اختر اور ڈاکٹر محمد طاہر [شعبہ اردو شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ] نے میرا بڑا تعاون کیا ، بالخصوص ڈاکٹر مظفر عالم ندوی کو میں نے جب جب یاد کیا ،ان کا جذبہ علم دوستی بڑھا ہوا پایا۔ میں ان تمام محسنوں کی محبتوں اور عنایتوں کا بے حد ممنون وشکر گذار ہوں ۔حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے لئے جناب شمس الرحمٰن فاروقی ،گرامی قدر ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی ، پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ، پروفیسر خورشید نعمانی ،ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی اور پروفیسر عبدالستار دلوی کا ممنون احسان ہوں ۔ میں ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی صاحب کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے اپنا مجموعہ مقالات ''ادب اور وابستگی''[م:۱۹۸۵ء] عنایت کیا ،جس سے مکاتیب مہدی کی جمع وتدوین میں بڑی مدد ملی۔علامہ شبلی کے صاحبزادے حامد حسن نعمانی کے

نواسے ڈاکٹر سلمان سلطان صاحب [ریڈر شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ] کا بھی شکر گذار ہوں جنہوں نے اپنے نانا حامد حسن نعمانی اوران کی صاحبزادیوں کے احوال بتائے۔ مولانا ضیاء الحق خیرآبادی [ایڈیٹر: ضیاءالاسلام، شیخوپور] مولانا کلیم صفات اصلاحی صاحب [رفیق دارالمصنّفین] اور برادر عزیز سلیم جاوید اعظمی [کتب خانہ دارالمصنّفین] کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ ان لوگوں نے ہر موقع پر حق تعلق نبھایا اور کسی بھی موقع پر گریز سے کام نہیں لیا۔ اللہ تعالی ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

کتاب کی کمپوزنگ میری بیٹی عفت جہاں نے سالانہ تعطیل میں کی ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی عثمان وعلی نے بھی اس میں حصہ لیا۔ شریک حیات شائستہ ریاض فلاحی ہر قدم ساتھ رہیں۔ میں اپنی اس ننھی سی دنیا کے روشن حال ومستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔

محمد الیاس الاعظمی

جمعہ، ۱۰ رمئی ۲۰۱۳ء

[۱]

سرسید احمد خاںؒ(۱)

[۱]

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب!

یہ کام(۲) مولوی عبداللہ صاحب(۳) کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ ان سے ایک خاص کام طے ہوا ہے۔ دیگر خدمات سے ہمیشہ مستثنیٰ رہیں گے۔ لہٰذا یہ کام ان کے متعلق کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ برسوں سے بخوشی خاطر یہ کام کر رہے ہیں،(۴) اب کیوں خود غرضی سے جی چراتے ہیں۔(۵)

سید احمد

۲۰ر جنوری ۱۸۹۵ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف اگست ۱۹۱۹ء ص ۱۵۲]

---

[۲]

مولوی شبلی صاحب!

آپ نے اپنی طولانی تحریر کو ایسے عنوان سے شروع کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ کو مولوی صاحب(۶) کے کام پر اطمینان نہیں، [حاشا وکلا] اگر ایسا ہوتا تو ایسا عظیم الشان کام جو کہ کالج کی جان ہے، ان کے سپرد ہرگز نہ کیا جاتا۔ مجھے ان پر بہت بڑا اطمینان ہے۔ وہ صدہا علماء میں سے اس جلیل القدر کام کے واسطے منتخب کئے گئے ہیں۔ شاید آپ کا خیال خرابی یا بے اطمینانی

کی طرف میرے اس لفظ سے گیا ہوگا کہ [یہ کام ان کے متعلق کرنا مناسب نہیں،] اس کے یہ معنی ہیں کہ میں کسی طرح ان کے خلاف مرضی کوئی کام ان کے متعلق کرنا پسند نہیں کرتا مگر میں منشی سعید احمد صاحب (۷) کی معرفت مولوی صاحب کی مرضی مبارک دریافت کروں گا۔

سید احمد

۲۲ر جنوری ۱۸۹۵ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف اگست ۱۹۱۹ء ص ۱۵۲-۱۵۳]

---

[۳]

مخدومی!

جن صیغوں میں آپ کے نزدیک ابتری ہے ان کے نام بتانے ضروری ہیں۔ امید ہے کہ اس سے مطلع فرمائیں گے۔ (۸)

سید احمد

علی گڑھ

۱۵ر ستمبر ۱۸۹۵ء

[ماخذ: مکاتیب شبلی حصہ اول، دار المصنفین، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷]

تعلیقات و حواشی

(۱) سر سید احمد خاں [۱۸۱۷-۱۸۹۸ء] بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ، علامہ شبلی کے محسن و مربی تھے۔ ان کی بدولت شبلی نے علمی دنیا میں بڑا وقار واعتبار حاصل کیا۔ شبلی کے ابتدائی دور کے اہم علمی وسوانحی کارنامے [مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون اور سیرۃ النعمان وغیرہ] انہیں کے زیر سایہ منصۂ شہود پر آئے مگر علامہ شبلی نعمانی کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اپنی انفرادیت باقی رکھی۔ وہ سولہ برس [۱۸۸۳-۱۸۹۸ء] علی گڑھ سے وابستہ رہے، اس وابستگی کے بارے میں خود انہوں نے لکھا ہے کہ

:''سرسید کے ساتھ ۱۶/برس رہا لیکن پولیٹیکل مسائل میں ہمیشہ ان سے مخالف
رہا اور کانگریس کو پسند کرتا رہا اور سرسید سے بارہا بحثیں رہیں۔''

[مکتوبات شبلی ص ۱۸۵]

علامہ شبلی اگرچہ علی گڑھ کالج سے ۱۶/برس وابستہ رہے مگر ان کی سرسید سے خط و کتابت کا سلسلہ کالج سے وابستہ ہونے سے چار سال پہلے شروع ہو چکا تھا۔ سرسید کے نام علامہ شبلی کا پہلا خط دسمبر ۱۸۷۸ء کا ہے۔[شبلی کے پہلے خط پر تاریخ درج نہیں ہے، البتہ اس پر سرسید نے ایک نوٹ لکھا ہے جو ۴/جنوری ۱۸۷۹ء کو لکھا گیا ہے۔] اور سرسید کے نام ان کا آخری خط ۱۲/جولائی ۱۸۹۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس طرح گویا شبلی و سرسید کے درمیان خط و کتابت کا عرصہ ۱۸/سال پر محیط ہے۔ دونوں کے درمیان شبلی کے روم و مصر و شام کے سفر دوران کثرت سے خط و کتابت ہوئی۔ سرسید کے نام شبلی کے کل ۱۶/خطوط شائع ہو چکے ہیں۔[۳/مکاتیب شبلی میں اور ۱۳/مکتوبات شبلی میں] البتہ شبلی کے نام سرسید کے محض ۳/خطوط ہی دستیاب ہیں۔ جنہیں خط کے بجائے رقعہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ اس میں دو خط مولوی عبداللہ انصاری سے متعلق ہیں اور ایک خط ایم، اے، او کالج کے غبن کے سلسلے میں ہے۔

(۲) اس کام کی وضاحت مولانا شبلی کے اس خط سے ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

قبلہ ام۔ آداب!

مولانا عبداللہ صاحب انصاری ماشاء اللہ جلیل القدر فاضل اور نہایت بابرکت شخص ہیں۔ اب یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ جو کہ خاکسار کالج کلاس کے طلبہ کو پڑھاتا ہے، وہ مولانا صاحب ممدوح کے تعلق کر دیا جائے۔ علاوہ عمدہ تعلیم پانے کے طلباء کو ان کی برکت سے روزانہ مستفیض ہونے کا موقع ملے گا۔

شبلی

۲۰/جنوری ۱۸۹۵ء

[ماخذ: مکتوبات شبلی ص ۲۷]

سرسید کا مذکورہ خط شبلی کے اسی خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

(۳) مولانا عبداللہ انصاری ناظم دینیات ایم،اے،او کالج علی گڑھ۔سہارن پور کے رہنے والے ممتاز عالم دین اور مولانا قاسم نانوتویؒ کے داماد تھے۔ان کا تقرر سرسید احمد خاں نے کیا تھا۔ایک عرصہ تک کالج سے وابستہ رہے۔سرسید ان کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے۔سرسید کی نماز جنازہ انہیں نے پڑھائی تھی۔

(۴) علامہ شبلی ایم،اے،او کالج علی گڑھ میں طلبہ کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔علی برادران کو اسی درس قرآن میں شرکت سے شرف تلمذ حاصل ہوا تھا۔سید سجاد حیدر یلدرم اور شیخ عبداللہ معروف بہ پاپا میاں وغیرہ نے بھی اسی درس قرآن میں شریک ہو کر شبلی سے استفادہ کیا تھا۔

(۵) سرسید کے اس خط کے جواب میں شبلی نے لکھا کہ:

قبلہ ام!

اگر جناب کو کچھ خرابی کا احتمال ہو تو مولوی عبداللہ صاحب کے تعلق یہ کام صرف ایک دو مہینے کے لئے کر دیا جائے۔میری یہ استدعا ایک معمولی بات تھی لیکن بعض وقت بدقسمتی سے چھوٹی سی بات بھی ایک امر مہم بن جاتا ہے۔جب مولوی صاحب ہر ہفتہ نہایت تفصیل وتوضیح کا موقع پا کر وعظ میں محتاط ہو گئے ہیں تو ترجمہ میں کیوں نہ احتیاط کریں گے۔میں پہلے روز ان کو قرآن کے گھنٹہ میں بلا کر دکھا دوں گا کہ میں اس طرح پڑھاتا ہوں اور آپ کو بھی یونہی پڑھانا چاہئے، ورنہ وہ ضرور اسی طرح پڑھائیں گے،کالج کا بخدا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ جو شخص خاص دینیات کے لئے ایک معقول مشاہرہ پاتا ہو،کالج کی انتظامی حیثیت سے یہ کام اس کے تعلق ہونا بہتر ہے۔میری ذاتی غرض صرف اس قدر ہے کہ مجھ کو لکھنے پڑھنے کے لئے وقت نکل آئے گا، ورنہ چونکہ جاڑوں میں مدرسہ ۹ ربجے سے ہوتا ہے اور صبح ۷ ربجے ہوتی ہے،اس لئے ضروریات سے فارغ ہو کر ذرا دیر کے بعد کھانا کھانے کے مدرسہ جانے کی پڑ جاتی ہے۔اگر

میری اس استدعا کو میرے جی چرانے اور کسی قسم کی خود غرضی پر محمول کیا جائے تو
میری کمال بدقسمتی۔اس باب میں میرے یہ آخری کلمات ہیں۔

شبلی نعمانی

۲۲ر جنوری ۱۸۹۵ء

[ماخذ: مکتوبات شبلی ص ۳۸]

(۶) مولوی عبداللہ انصاری، استاذ شعبہ دینیات ایم،اے،او کالج علی گڑھ

(۷) اس زمانہ میں ایم،اے،او کالج علی گڑھ میں غبن کا معاملہ پیش آیا تھا، علامہ شبلی نعمانی اس وقت اعظم گڑھ تھے اور خط لکھ کر سرسید احمد خاں کی توجہ ان دوسرے شعبوں کی طرف مبذول کرائی تھی جن میں ابتری پائی جاتی تھی، سرسید نے یہ خط ان شعبوں کی نشاندہی کے لئے لکھا تھا۔

(۸) منشی سعید احمد صاحب: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

[۲]

مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوری (۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ. از محمد ارشاد حسین عفی عنہ، مولوی صاحب محبی ومخلصی مولوی محمد شبلی صاحب **وفقهم الله سبحانه رضائه.** پس از سلام مسنون مطالعہ نمایند رقیمہ بورود مسعود باعث مسرت وکاشف مندرجہ شد حال کم فرصتہائے فقیر آں مخلص را معلوم است، پس بقدر ضرورت جواب رفع اشتباہ کلمہ چند نوشتم وتفصیل آں بروقت ملاقات وحصول فرصت موقوف است۔

یہ شبہ جو کیا کہ صورت مذکورہ میں دونوں زوجوں میں سے کسی نے اس کو زانیہ نہیں کہا پھر قذف کے کیا معنی، اس کا جواب یہ ہے کہ تحقق قذف میں صراحۃً لفظ زانیہ کہنا نہیں لازم ہے بلکہ جو لفظ ایسا ہو کہ اس سے مقذوف پر تہمت زنا وارد ہو، وہ شرعاً قذف مصطلح ہے۔

قال فی تفسیر روح البیان: والقذف بالزنا ان یقول العاقل لمحصنة یا زانیة یاابن الزانی یا ابن الزانیة یا ولدالزنااولست لابیک یاابن فلان انتهی. (۲)

وقال فی الدرالمختار: ویحدقاذن المسلم الحرالبالغ العاقل العفیف بصریح الزنااوبقوله زنات فی الجبل اولست لابیک اولست یاابن فلان لابیه المعروف به انتهی. (۳)

اور جب یہ امر واضح ہو گیا کہ انکار ولدیت والد معروف سے قذف متحقق ہو جاتا ہے **کما قال لست بابن فلان.** پس یہ کہنا کہ ولدیت کے انکار سے ضمناً قذف ہوتا ہے صحیح

نہیں ہوا بلکہ انکار ولدیت صراحۃً منجملہ الفاظ قذف ہے، پس سوال اول مندفع ہوا، اس لئے کہ یہ روایت التزامی نہیں ہے بلکہ موافق وضع شرعی کے دلالت مطابقی ہے اور جرم قذف اس سے ثابت۔

اور وہ جو سوال ثانی میں کہا وہ عورت درحقیقت زانیہ ہوئی یا نہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ وہ عورت زانیہ نہیں ہوئی، بلکہ **موطوءہ بالشبہ** ہوئی اور موطوءہ بالشبہ شرعاً زانیہ نہیں ہوتی، **قال فی ردالمختار ان الزنی فی اللغة والشرع بمعنی واحد وهو وطء الرجل المرأة فی القبل فی غیر الملک وشبهته.** (۴) انتہی اور تحقق شبہ ملک کا اس محل میں بسبب تحقق نکاح ثانی کے بعد سننے خبر انتقال شوہر اول کے ظاہر ہے۔

وقال فی الهدایه : من تزوج امرأة لایحل له نکاحهافوطئهالاحب علیه الحد عند ابی حنیفةؒ لکنه یوجع عقوبةً اذاکان علم بذلک انتهی. (۵) اور جب وہ عورت زانیہ نہ ہوتی تو محصنہ عفیفہ ہوئی پس نفی ولدیت سے تہمت زنا اس پر قائم ہوئی اور قذف اس کے حق میں متحقق اور نسب اس ولد کا شوہر اول سے ثابت ہے۔

وقال فی العالمگیریة :غاب عن زوجته ونعی الیهازوجهافاعتد وتزوجت بآخرفولدت فالولدعندالامام للاول نفاه الاول اوادعاه او ادعاه الثانی اونفاه لاقل من ستة اشهر من سنتین وللزوج الثانی ان یدفع الزکوة الیهم وتقبل شهادتهم له کذا فی الوجیزللکروری،انتهی. (۶) اس سبب سے تو ہم اس کا پیدا ہوا کہ زوج ثانی نے دعوت ولد دے کر کے اس پر تہمت زنا لگائی اس لئے کہ فی الواقع وہ عورت بحکم شرع زوجہ ہے شوہر اول کی اور نسب ولد کا بھی اس سے ثابت ہے، پس دعوت زوج ثانی کا یہ مفاد ہے کہ میں نے اس سے زنا کیا، اب واضح ہوا کہ احتمال قذف محصنہ کا دونوں شوہروں کی جانب سے ساتھ نفی ولد کے اول سے اور ساتھ دعوت ولد کے ثانی سے قائم ہے، پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے واسطے امتحان قتادہ کے دعوی فقاہت میں یہ سوال کیا یعنی قتادہ اگر احدہما کو قاذف قرار دیں گے تو وجہ تحقق قذف کی جانب ثانی سے پیش کی جائے گی اور اگر دونوں کو قاذف ٹھہرائیں گے تو دلیل

صوری نفی قذف کی کہ وہ صورت تحقق زنا سے ظاہر کی جائے گی اور اگر کسی کو قاذف نہ کہیں گے تو دلیل تحقق قذف ہر ایک کی گذاری جائے گی، اس صورت میں دعوی فقہ شناسی کا صدق یا کذب واضح ہو جائے گا۔

اور جواب سوال ثانی کا یہ ہے کہ اول تو پھینکنے والا سانپ کا پھینکنے میں اوپر جلیس کے مضطر نہیں ہے ممکن تھا کہ علاحدہ جلیس سے پھینکتا، پس پھینکنا جلیس پر باختیار ہوا اور علی التسلیم لزوم دیت میں فعل اختیاری شرط نہیں ہے، البتہ قصاص میں اختیار اور عمد شرط ہے، اسی واسطے قتل شبہ اور خطائیں مثلاً سوتے میں کسی نے کروٹ لی یا گر گیا اور اس سے کوئی دیگر شخص مر گیا تو دیت دینا لازم آئے گا، یہاں فعل اختیاری کہاں ہے، بالجملہ دیت کہ ضمان بالمال ہے اس میں اختیار شرط نہیں ہے، **وهو ممالا يخفى على الماهرين فقط والله سبحانه اعلم وعلمه اتم.** (۷)

العبد المجیب محمد ارشاد حسین احمد عفی عنہ

[ماخذ: فتاوی ارشادیہ جلد اول ص ۲۰۱-۲۰۲]

تعلیقات و حواشی

(۱) مولانا ارشاد حسین مجددی رام پوری [۱۸۳۳-۱۸۹۷ء] علامہ شبلی کے استاذ فقہ تھے۔ علامہ شبلی نے ان کے سامنے ۱۸۷۴ء میں رام پور میں زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ علامہ شبلی ان کی وسعت نظر، اصابت رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کے ہمیشہ مداح رہے۔ [حیات شبلی ص ۹۵]

(۲) روح البیان ج ۲ سورہ نور آیت ۴ ص ۴۶

(۳) الدر المختار، باب حد القذف ص ۳۴۸-۳۴۹

(۴) رد المختار علی الدر المختار ج ۳ کتاب الحدود ص ۱۴۱

(۵) ہدایہ اولین باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ ص ۳۸۱، المطبع العلوی لکھنو ۱۲۸۷ھ

(۶) الفتاوی العالمگیریہ ج ۱، باب النکاح الفاسد واحکامہ ص ۴۶۷، المطبع الطبی ہوگلی، بنگال در سنہ ۱۲۵۸ھ۔

(۷) یہ علامہ شبلی کے درج ذیل خط کا جواب ہے:

مخدومی ومطاع مادامت افضالہم پس از ادائے مراسم تحیت وتسلیم آنکہ ملازمان عالی کو معلوم ہو کہ بہت جدوجہد سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں جس کے لئے میں نے بہت سے موادتاریخی فراہم کئے، اس وقت جو جزو زیر تحریر ہے وہ ان کے فتاوے ہیں، عقود الجمان میں ان کے چند فتاوے مذکور ہیں لیکن دوجگہ مجھ کو شک پیدا ہوا، اس لئے ان کو عرض کرتا ہوں کہ تشفی فرمائی جائے۔ اصل عبارت لکھ کر شبہہ لکھتا ہوں:

قال ابوحنيفة ياابا الخطاب ماتقول فی رجل غاب عن اهله اعواما او نعی اليها فظنت امرأته انه ميت فتزوجت ثم قدم زوجها الاول وقد ولدت ولداً فنفاه الاول وادعاه الثانی اكل واحد منهما اقذفهما ام الذی انكر الولد ماالجواب فيها.

مجھے اس میں شبہ یہ ہے کہ دونوں زوجوں میں سے کسی نے اس کو زانیہ نہیں کہا پھر قذف کے کیا معنی، باقی یہ امر کہ ولدیت کے ادعا اور انکار سے ضمناً قذف لازم آتا ہے۔ اس پر دو سوال ہیں [۱] کیا ایسی دلالت التزامی سے قذف کا جرم قائم ہوسکتا ہے؟ [۲] وہ عورت درحقیقت زانیہ ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کیا واقعیت کا اظہار قذف میں داخل ہے؟ ایسا تفصیلی جواب عنایت ہو جو اصل مسئلہ کو حل کردے اور امام صاحب کے اس سوال کی حقیقت کھول دے۔

دوسرا فتویٰ یہ لکھا ہے کہ چند آدمی ایک جگہ بیٹھے تھے، ایک شخص پر سانپ آکر گرا، اس نے دوسرے پر پھینک دیا۔ اسی طرح تین چار آدمی تک نوبت پہنچی، اخیر میں اس نے ایک شخص کو کاٹ لیا اور وہ مرگیا۔ امام صاحب نے فتویٰ دیا کہ اگر گرنے کے ساتھ سانپ نے کاٹا تو اخیر پھینکنے والے پر دیت لازم آئے گی اور اگر وقفہ ہوا تو کسی پر نہیں۔ اس پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص نے پھینکا یہ

اس کا اضطراری فعل تھا، اس اضطراری فعل پر وہ کیوں ماخوذ ہو، فقہ میں اس کے
متعلق کیا امر قرار دیا ہے، جواب جلد تر مرحمت ہو، ورنہ میرا حرج ہوگا۔ فقط
شبلی

[ماخذ: فتاویٰ ارشادیہ، حصہ اول ص ۲۰۱-۲۰۲]

اس کے علاوہ علامہ شبلی کا کوئی خط مولانا ارشاد حسین مجددی صاحب کے نام دستیاب نہیں،
مکاتیب شبلی میں بھی کوئی خط شامل نہیں ہے اور نہ ہی مولانا مجددی کا کہیں کوئی خط دستیاب ہے۔

[۳]

نواب محسن الملک(۱)

مکرمی!

یہ خط واپس ہے۔منظوری کا عنایت نامہ عنایت ہو،عذر نامسموع ۔ براہ کرم ضرور منظور فرمایئے۔مجھ پر احسان ہوگا۔(۲)

مہدی

[ماخذ: مکاتیب شبلی حصہ اول ص۱۹-۲۰]

تعلیقات و حواشی

(۱) نواب محسن الملک: مولوی مہدی علی خاں[۱۸۳۷-۱۹۰۷ء]علی گڑھ تحریک کے کاروان اول کے رکن۔علامہ شبلی سے گہرے اور بے تکلفانہ مراسم تھے۔مدۃ العمران کی خواہش رہی کی علامہ شبلی نعمانی علی گڑھ کالج واپس آجائیں۔اس کے لئے انہوں نے حکومت سے بھی گفتگو کر کے راہ ہموار کی مگر علامہ شبلی نے ندوہ کے آگے اپنے احباب کی تمام خواہشیں رد کردیں۔علامہ شبلی ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے تو نواب صاحب ان کی عیادت کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے اور شبلی منزل میں تین دن قیام کیا۔۱۹۰۷ء میں انہوں نے وفات پائی تو علامہ شبلی نے ''ہائے محسن الملک'' کے عنوان سے ماہنامہ الندوہ[اکتوبر۱۹۰۷ء] میں ان کا بڑا غم انگیز ماتم لکھا۔

(۲) مارچ ۱۹۰۵ء میں ایم،اے،او کالج علی گڑھ کے سکریٹری نواب محسن الملک تھے۔انہوں نے علامہ شبلی کو کالج کی سنٹرل کمیٹی کا رکن نامزد کیا مگر علامہ شبلی نے ضعف اور بیماری کے سبب معذرت کی۔نواب صاحب نے یہ خط اسی معذرت نامے کے جواب میں لکھا ہے۔

[۴]

خواجہ الطاف حسین حالیؒ (۱)

[۱]

دوستان ایکہ رہ و رسم وفا کیش شماست   ہیچ دانید کہ شبلی بچہ حال ست و کجا ست

للہ الحمد پس از نا خوشی و رنج دراز   شبلیؒ ما بمراو از سر بالیں برخاست
آنکہ نامش بکمالات سمر در گیتی است   آنکہ مشہور در آفاق بہ شمس العلما ست
آنکہ گر سرکند افسانۂ فضل و ہنرش   خامہ مشکل کہ بپایان بردش بے کم و کاست
آنکہ خوانندش اگر فخر زمانِ خود و پس   کردہ باشند عدول اہل سخن از رہ راست
بود در علت او علت قومی مضمر   لا جرم صحت او بہر ہمہ قوم شفاست
بسکہ او روح دمید است بتاریخ سلف   ہر قدر فخر بذاتش بکند قوم رواست
زندہ تا دیر ہمانا دکہ بر قد کسے   بعد از او خلعتِ تحقیق نمی آید راست

مولانا!

قصیدہ کشمیریہ (۲) کی متعدد کاپیاں وصول ہوئیں۔ پہلے اس سے کہ آپ کے عطیہ کا شکریہ ادا کروں، مجھ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے جس نے مدت دراز کے بعد آپ کی صحت کا مژدہ آپ ہی کی زبان سے سنوایا۔ فی الواقع آپ کی حالت نازک ہوگئی تھی اور مرض کو حد سے زیادہ امتداد ہوگیا تھا، باجودیکہ تبدیل آب و ہوا کی بہت ضرورت تھی مگر آپ کو اس کا موقع نہیں ملا۔ اب درحقیقت صرف خدا کے فضل پر اور بحسب ظاہر شفیق و ہمدرد معالج پر صحت کا انحصار تھا۔ **اذا اراد**

اللّٰہ شیئاً ھیّأ اسبابہ ایسی حالت میں ڈاکٹر مصطفیٰ خاں صاحب (۳) کا اعظم گڑھ میں آنا صاف دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو ابھی آپ کی قومی خدمات کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رکھنا منظور تھا۔ **فا لحمد الله ثم الحمد لله علی ما انعم علینا با بقائکم فینا و بنعمة وجو کم لدنیا.**

قصیدہ کی رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس سبب سے دیر ہوئی کہ سجاد حسین (۴) اسسٹنٹ انسپکٹر مقرر ہو کر راولپنڈی جانے والے تھے کچھ تو اس وجہ سے، چند روز کسی قدر پریشانی رہی اور زیادہ تر میرے ایک نہایت عزیز بھائی کی علالت کے سبب ایک ہفتہ سخت سراسیمگی اور تشویش میں گذرا۔ بارے الحمدللہ کہ ان کو صحت ہوگئی اور سجاد حسین بھی مع الخیر راولپنڈی پہونچ گئے۔ اس لئے آج اس نیاز نامہ کے لکھنے کا موقع ملا ہے۔

مسٹر آرنلڈ (۵) کی تحریر سے اور نیز آپ کے اعلان سے جو چودھویں (۶) میں چھپا تھا، یہ معلوم ہوا تھا کہ اورینٹل نیشنل کانفرنس میں جو اس سال روم یا اٹلی میں ہونے والی ہے، آپ کا بھی ارادہ تشریف لے جانے کا ہے (۷) اور میں یہ خیال کر رہا تھا کہ آپ روانہ ہو گئے ہوں گے مگر قصیدہ مذکور کے وصول ہونے سے معلوم ہوا کہ ابھی آپ اعظم گڑھ میں تشریف رکھتے ہیں۔ مجھے تاریخ روانگی ٹھیک طور پر یاد نہیں رہی، معلوم نہیں کہ ارادہ فسخ ہو گیا یا تاریخ معین ابھی نہیں آئی۔

مسٹر بک (۸) کے مرنے کا قبل از وقت ایسا افسوس ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ سید محمود (۹) کی بے اعتدالیاں (۱۰) اب حد سے زیادہ بڑھ گئی ہیں اور لوگوں کو ان کی آڑ میں کالج کو درہم برہم کرنے کا خاصہ موقع مل گیا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ محسن الملک کو نواب لفٹنٹ گونر نے نینی تال پر بلایا ہے۔ سید محمود کو پریسیڈنٹی سے علاحدہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ کاش ہز آنر ان کے برطرف کرنے کا مشورہ دیں۔ مسٹر ماریسن کو مسٹر بک کی جگہ پرنسپلی پر ولایت سے بلایا گیا ہے مگر معلوم نہیں کہ انہوں نے تار کا کیا جواب دیا؟ دو نئے پروفیسر ولایت سے اور بلائے گئے ہیں۔ سردست کالج کی حالت نہایت نازک ہے۔ خدا انجام خیر کرے۔

زیادہ نیاز مند

خاکسار

الطاف حسین حاؔلی، از پانی پت

۱۸/ستمبر ۱۸۹۹ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف ستمبر ۱۹۱۶ء ص ۵۷-۵۹]

---

[۲]

مولانا!

بنفسی ما به جاء تبشیر　　　وما اَفدی به شی یسیر

اس قدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھوں کے ساتھ وہی کام کیا جو پیراہن یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔

میری کوتاہ قلمی سے اگر آپ یہ سمجھے ہوں تو کچھ تعجب نہیں کہ میں آپ کے حقوق صحبت کو بھول گیا ہوں مگر مولانا یہ تغافل اسی قسم کا ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے:

تغافلے کہ کم از صد نگاہ حسرت نیست

میں اپنے حالات کی تفصیل لکھ کر آپ کو ملول کرنا نہیں چاہتا۔ صرف چار مصرعے حسب حال لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے　　　لکھنے پڑھنے کے نام سے وحشت ہے
تو نے ہر درد سر سے دی آ کے نجات　　　پیری! رحمت ہے تجھ کو صد رحمت ہے

آپ کے گراں بہا عطیہ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، گو اس سے پورا پورا مستفید نہیں ہوسکتا، ایک آنکھ سے بالکل نظر نہیں آتا۔ دوسری آنکھ میں بھی موتیا کا پانی آنا شروع ہو گیا ہے۔ داہنی آنکھ بنوانے کا ارادہ ہے لیکن کھانسی کی وجہ سے فروری تک آپریشن کرانا ملتوی کرا دیا ہے۔ چونکہ میں بذات خود کتابوں سے کما حقہ استفادہ حاصل نہیں کرسکتا (۱۱) اس لئے اپنی ہوس کو اس طرح پورا کرتا ہوں کہ اور لوگوں کے لئے لائبریری سے کتابیں منگواتا ہوں اور اس مشہور مقولہ کا مصداق بنتا ہوں: ع

قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

اسی بناپر سوانح مولانا روم لائبریری کی طرف سے منگوائی گئی تھی لیکن چونکہ وہ آپ نے خاص میرے لئے عنایت فرمائی ہے اس لئے اس کو اپنے پاس رکھوں گا اور لائبریری کے لئے دوسرا نسخہ اسی درجہ کا بصیغۂ ویلو پی ایبل ارسال فرمانا ہوگا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ کی جملہ تصانیف لائبریری میں آ گئی ہیں۔ صرف الغزالی اب تک نہیں آئی تھی لیکن اب عبداللہ خاں (۱۲) کو حیدرآباد لکھ دیا گیا ہے کہ اس کا ایک نسخہ فوراً بھیج دیں۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں کہ المامون اور سیرۃ النعمان بھی آ گئی ہیں یا نہیں۔ میں لائبریری سے دریافت کر کے ان کے لئے بھی شاید تکلیف دوں۔ باقی الفاروق، سفرنامہ روم ومصر وغیرہ، رسائل شبلی، تاریخ علم کلام کے دونوں حصے یہ سب کتابیں لائبریری میں موجود ہیں۔ سوانح کے ساتھ دیوان فارسی بھی پارسل میں شامل کرا دیجئے گا۔

سوانح کو میں اب تک ایک سرسری نظر سے دیکھ سکا ہوں، اول مولوی وحیدالدین (۱۳) دیکھنے کو لے گئے۔ ان کے بعد غلام حسین (۱۴) نے مانگ لی۔ آپ کی تصنیفات کی نسبت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ من حرف منزلتکم فی التصنیف کل لسانه. آپ کا وجود قوم کے لئے باعث فخر ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو بہت مدت تک زندہ وسلامت رکھے۔

موازنہ انیس و دبیر کا مسودہ میں نے میر کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات سرکار عالی سے بڑے تقاضوں کے ساتھ حیدرآباد میں منگوا کر دیکھا تھا اور جس رقعہ کے ساتھ ان کے دفتر میں اس کو واپس بھیجا تھا اس میں ان کو بہت غیرت دلائی تھی کہ اب تک اس کے شائع کرنے کا یہاں کسی کو خیال نہیں آیا، یا تو سرکار کی طرف سے آپ اس کو چھپوا دیں یا بعض اشخاص جو اس کے چھاپنے پر آمادہ ہیں ان کو اجازت دیدیں اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مسودہ کو خود مولانا کے پاس بھجوا دیں کیونکہ اس میں جا بجا کورے اوراق چھوڑ دئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اس میں کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے۔ (۱۵) میر کاظم علی صاحب نے بہت دن کے بعد اس کا یہ جواب دیا کہ سرکار سے اس کے چھاپنے کی منظوری لے لی گئی ہے لیکن باوجود اس کے کہ میں اس کے بعد کئی مہینہ تک وہاں ٹھہرا رہا، میرے سامنے اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، بفرض محال چھپتا بھی تو بالکل مسخ ہوتا، آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چھپنے کو دے دیا۔ جب موازنہ بالکل چھپ جائے تو

ازراہِ عنایت اس کی بھی ایک جلد سکریٹری وکٹوریا میموریل لائبریری کے نام ضرور بصیغۂ ویلو پی ایبل بھجوادیجئے گا۔ زیادہ نیاز

خاکسار، آپ کا مخلص دعا گو

الطاف حسین حالی

پانی پت۔۳۰؍نومبر ۱۹۰۶ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف دسمبر ۱۹۱۶ء ص ۵۸-۶۰]

---

[۳]

مولانا! دستۂ گل (۱۶) پہنچا۔ میں نے اس مجموعہ کا نام تو احسن اللہ خان ثاقب (۱۷) سے جو ابھی میرے ہاں مہمان رہ کر گئے ہیں۔ سنا تھا اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ لائبریری پانی پت میں، میں نے اس کے منگوانے کو بھی لائبریرین سے کہہ دیا تھا مگر اب تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا، اب جو آپ نے عنایت فرمایا تو اول سے آخر تک اس کو دیکھا۔ کوئی کیوں کر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور سوانح عمری مولانا روم جیسی مقدس کتابیں لکھی ہیں۔ غزلیں کاہے کو ہیں شراب دوآتشہ ہے۔ جس کے نشہ میں خمار چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے۔ غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی و بے باکی کے مضامین پر مشتمل ہے ممکن ہے کہ اس کے الفاظ میں زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلیں اس سے بہت زیادہ گرم ہیں۔

دو دل بودن دریں رہ سخت ترعیب است سالک را

خجل ہستم زکفر خود کہ داد بوئے ایماں ہم

شاید لوگ تعجب کریں کہ اس شعر میں وجد کرنے کی کون سی بات ہے مگر اس شعر سے ہر شخص لطف نہیں اٹھا سکتا۔ **الا الذی اُبتلی بمثل ما ابتلی به القائل.**

میرا ارادہ تھا کہ اپنا فارسی کلام نظم ونثر جو کچھ ہے، اس کو بھی چھپوا کر شائع کردوں مگر

دستہ گل دیکھنے کے بعد میری غزلیں خود میری نظر سے گر گئیں۔ ولیس فی ذلک شائبة من التصنع .

آپ کے اکثر علیل رہنے کا سخت افسوس ہوا، خدا تعالی صحت کامل عنایت کرے اور بہت دن تک زندہ وسلامت رکھے۔ والسلام خیر ختام

خاکسار

الطاف حسین حالی

۱۹۰۸ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف اپریل ۱۹۱۷ء ص ۴۹]

---

[۴]

مولانا ومتکانا!

بوے گل (۱۸) رسید وباایں بیت حافظ مترنم ساخت

بوے خوش تو ہر کہ زبادِ صبا شنید
از یار آشنا خبر آشنا شنید

بوے گل بانسبت دستہ گل متاثر تر شدہ ام، ہمانا قال را رنگ حال دادہ اید یا خود حال را در لباس قال جلوہ گر ساختہ اید،

رقّ الزجاج ورقت الخمر   فتشابها و تشاكل الامر
فكانما خمر و لا قدحٌ   وكانما قدح ولا خمر

میدانید کہ از خصوصیات کلام خواجہ یکے ایں است کہ از تکرار مضامینش قاری را دل ملول نمی شود، چنانکہ خود فرمودہ است شعر، یک حرف بیش نیست غم عشق وایں عجب کز ہر کسے کہ می شنوم نا مکرر است، الحق بے شائبہ تصنع میگویم کہ ایں خاصیت در غزلیات جدیدۂ سامی آنچناں ظاہر و آشکار است کہ انکار آں بہ بداہت باطل است، وایں خاصیت میسر نمی شود مگر در کلام کسے کہ می

گو ید ہر چہ می گذرد و می نماید ہر چہ می بیند، چند ابیات کہ ہنگام مطالعہ ور دل بیش خلیدہ است، در یں جا می نویسم،

رہ و آئین تقوی نیز بد نیست	اگر کارے نبا شد می تواں کرد
چو تنہا با حریفان برنیا مد	حیا را خواند و بر خود پاسباں کرد
بسکہ دردِ من از اندازۂ درمان بگذشت	چارہ گر بامن بیچارہ چہ سازد چہ کند
بسکہ از مستیِ چشم تو جہان شد بد مست	محتسب بے خبر از خانۂ خمار گذشت
شاعری از من مجو دور از سواد بمبئیؔ	حالیا شبلی شدم رند غزلخواں نیستم

دلدادۂ شما

الطاف حسین حالی

[ماخذ: ماہنامہ معارف جولائی ۱۹۱۷ء ص ۵۱]

تعلیقات و حواشی

(۱) خواجہ الطاف حسین حالی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] سے علامہ شبلی کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ جس کی تفصیل راقم کی کتاب شبلی سخنوروں کی نظر میں، میں آچکی ہے اور کسی قدر ان مکتوبات میں بھی ہے۔

مولانا حالی کے نام شبلی کا کوئی خط مکاتیب شبلی اور مکتوبات شبلی میں شامل نہیں ہے۔ البتہ شبلی کے نام ان کے چار خطوط دستیاب ہیں، یہ خطوط ماہنامہ معارف میں چھپے ہیں، ان سے بھی دونوں کے محبت آمیز تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے، خاص طور پر شبلی کے علی گڑھ سے ترک تعلق کے بعد وہاں کے نازک حالات کا مولانا حالی نے ان سے جس انداز میں ذکر کیا ہے وہ دونوں کے ذہنی اشتراک کا بھی پتہ دیتا ہے۔ اب تک حالی و شبلی پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ان خطوط سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ شبلی و حالی کے تعلقات کا صحیح محاکمہ نہیں ہو سکا۔ سچ یہ ہے کہ ان خطوط کے بغیر صحیح محاکمہ ہو بھی نہیں سکتا۔

(۲) ۱۸۹۹ء کا سال علامہ شبلی کے لئے بڑا تکلیف دہ رہا، تقریباً پورے سال رہ رہ کر بیمار پڑے۔ چنانچہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے کشمیر کا سفر کیا۔ قصیدہ کشمیریہ اسی سفر کی یادگار ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی

بیماری کا حال، کشمیری احباب کی تیمارداری وخدمت اور ڈاکٹر مصطفےٰ خاں کی آمد اور علاج کا ذکر بڑے خوب صورت شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ یہ قصیدہ شائع ہوا تو اس کے نسخے احباب کو بھیجے، اب یہ قصیدہ کلیات شبلی فارسی میں شامل ہے۔

(۳) ڈاکٹر مصطفےٰ خاں اعظم گڑھ میں اسسٹنٹ سول سرجن تھے۔۱۸۹۹ء میں ضلع گونڈہ سے تبادلہ کے بعد اعظم گڑھ آئے تھے۔مزید تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

(۴) خواجہ سجاد حسین [م:۱۹۴۵ء] خواجہ الطاف حسین حالی کے صاحبزادے۔سرسید احمد خاں کے زمانہ میں ایم،اے،او کالج سے بی،اے کیا تھا۔بڑے لائق شخص تھے۔بہت سے ادبی و تعلیمی کام انجام دئے۔

(۵) ایم،اے،او کالج علی گڑھ کے فلسفہ کے استاذ مسٹر آرنلڈ (Mr. T.W.Arnold : 1864-1930) علامہ شبلی کے دوست بھی تھے اور استاذ بھی:

آرنلڈ آں کہ رفیق است و ہم استاذ مرا

لندن میں پیدا ہوئے۔کیمبرج سے بی.اے.کیا۔جرمن،سنسکرت،عربی، فارسی اور اردو کئی زبانوں سے واقف تھے۔ان کے قلم سے ۱۹ رکتابیں نکلیں۔The Preachings of Islam ان کی مشہور تصنیف ہے۔علامہ شبلی ان کے بڑے مداح تھے۔روم ومصر وشام کے سفر میں مسٹر آرنلڈ پورٹ سعید تک ساتھ رہے۔وہ جب ہندوستان سے واپس جارہے تھے تو علامہ شبلی انہیں وداع کرنے کے لئے حیدرآباد گئے۔۱۹۳۰ء میں لندن میں انتقال کیا۔ [یادرفتگاں ص۱۰۳]

(۶) چودہویں: غالباً کوئی رسالہ تھا،اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۷) ۱۸۹۹ء میں اورینٹل کانفرنس کا اجلاس اٹلی میں ہونا طے پایا تھا۔اس اجلاس میں شرکت کے لئے حکومت پنجاب نے مسٹر آرنلڈ کو اور حیدرآباد نے سید حسین بلگرامی کو نامزد کیا تھا۔مسٹر آرنلڈ نے شبلی کو شرکت کی طرف متوجہ کیا۔چونکہ یہ کانفرنس مشرقی اور اسلامی علوم وفنون کی تحقیقات کے لئے قائم کی گئی تھی اوراس میں بڑے اسکالر اور اہل قلم شریک ہوتے تھے،اس لئے علامہ شبلی نے اٹلی کانفرنس میں شرکت کا ارادہ کرلیا تھا اور اپنے بعض دوستوں کو خطوط لکھے کہ وہ اس میں شریک ہوں گے۔ان کا خیال تھا کہ یورپ

کے ساتھ اسلامی ممالک کی بھی لگے ہاتھوں سیر ہوجائے گی مگروہ پھر بیمار پڑے اور شرکت نہ کر سکے۔ [حیات شبلی ص ۲۷۷-۲۷۸]

(۸) مسٹر تھیوڈر بیک: محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ کے پرنسپل رہے۔ ۱۸۹۹ء میں کم عمری میں انتقال کیا۔ یہ وہی بیک صاحب ہیں جن کے عہد پرنسپلی میں علامہ حمیدالدین فراہی کالج میں عربی وفارسی مضامین کے استثناء کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور انہیں بیک صاحب کو سرسید احمد خاں کی یہ بات ناگوار گذری تھی کہ یہ ایک ایسے طالب علم ہیں جن کی صلاحیت اساتذہ کے ہم پلہ ہے۔ اسی موقع پر علامہ شبلی نے مسٹر بیک سے کہا تھا کہ میرے لئے تو یہ فخر کی بات ہے کیونکہ سرسید کے یہ ممدوح عربی وفارسی دونوں زبانوں میں میرے شاگرد ہیں۔ [مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۲۸]

(۹) سرسید احمد خاں کے صاحبزادے سید محمود [۱۸۵۰-۱۹۰۳ء]، کوئنس کالج بنارس میں تعلیم پائی ۱۸۵۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ ۱۸۷۳ء میں قانون کی تعلیم مکمل کی۔ پہلے ڈسٹرکٹ جج پھر ہائی کورٹ الہ آباد کے جج مقرر ہوئے۔ اس موقع پر اعظم گڑھ میں مبارک باد پیش کرنے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں علامہ شبلی نے بھی شرکت کی تھی، اس جلسہ میں علامہ شبلی نے جو تقریر کی تھی وہ ان کی ابتک کی دریافت سے سب سے قدیم تقریر ہے۔

(۱۰) سرسید نے اپنا جانشین اپنے بیٹے سید محمود کو نامزد کیا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود خودرائے تھے۔ اور من مانی کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ٹرسٹیوں میں بڑا خلفشار ہوا اور بالآخر وہ ہٹائے گئے۔ مولانا حالی نے اس خط میں کالج کے اسی دور کے حالات کا ذکر کیا ہے۔

(۱۱) چند سال قبل ''استفادہ کرنا'' اور استفادہ حاصل کرنا'' کے سلسلے میں ایک طویل بحث ومباحثہ ہوا تھا۔ باحثین نے دونوں کے حق میں دلائل دئے تھے۔ مولانا حالی نے بھی استفادہ حاصل کرنا لکھا ہے۔

(۱۲) عبداللہ خاں: کتب خانہ آصفیہ کے ذمہ دار تھے۔ تذکرہ گلشن ہند جسے علامہ شبلی نے مرتب کیا تھا انہیں نے ۱۹۰۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے علامہ شبلی کی کئی کتابیں شائع کی تھیں۔

(۱۳) مولوی وحیدالدین سلیم [۱۸۶۹-۱۹۲۸ء] پانی پتی، ایڈیٹر مسلم گزٹ لکھنو۔ علامہ شبلی نے انہیں مسلم گزٹ کا ایڈیٹر مقرر کرایا تھا۔ انہوں نے اسٹرائک طلبائے ندوہ کے زمانہ میں علامہ شبلی کے خلاف

مسلم گزٹ ہی میں مضامین شائع کیئے۔ کسی وجہ سے حکومت نے انہیں پردیش بدر کر دیا تھا۔

(۱۴) غلام حسین: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۱۵) مسودہ موازنہ انیس و دبیر: علامہ شبلی نے یہ کتاب پہلی بار حیدر آباد میں لکھی تھی اور سلسلہ آصفیہ کے تحت شائع ہونے کے لئے صیغہ علوم وفنون حیدر آباد میں جمع کیا تھا مگر وہاں سے شائع نہ ہو سکی اور نہ اس کا مسودہ ملا۔ مولانا حالی نے اپنے خط میں اسی مسودہ کا ذکر کیا ہے۔ اسے علامہ شبلی نے لکھنو میں دوبارہ لکھا اور ۱۹۰۷ء میں خود ہی شائع کرایا۔ حیدر آباد والا مسودہ اب نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہے۔

(۱۶) دستہ گل: علامہ شبلی کی فارسی غزلوں کا پہلا مجموعہ جو ۱۹۰۸ء میں قومی پریس لکھنو سے شائع ہوا۔

(۱۷) مولوی احسن اللہ خاں ثاقب [۱۸۵۳ بدایوں-۱۹۳۵ء رامپور] وکٹوریہ کالج گوالیار میں عربی و فاسی کے پروفیسر تھے۔ فارسی زبان پر بڑی دست رس اور ادبیات فارسی پر محققانہ نظر تھی۔ ان کی فارسی شاعری اور سخنوری کی داد ارباب کمال نے دی ہے۔ محسن کاکوروی اور امیر مینائی سے تلمذ حاصل تھا۔ شرح حسن وعشق اور عالی شیرازی ان کی یادگاریں ہیں۔ اہل علم وادب کے اعترافات کا ایک مجموعہ ''گوہرین نامہ'' کے نام سے ۱۳۴۱ھ [انوارالمطابع لکھنؤ] میں شایع ہوا ہے۔ علامہ شبلی سے ان کے بڑے مخلصانہ مراسم تھے۔ خط وکتابت بھی تھی۔ ان کے نام علامہ شبلی کے چھ خطوط گوہرین نامہ میں شامل ہیں۔ وہ علامہ شبلی کی عظمت اور ادبی کارناموں کے بڑے مداح تھے۔ گوہرین نامہ کے صفحات میں جگہ جگہ ان کی عظمت کا ذکر کیا ہے۔

(۱۸) بوئے گل: علامہ شبلی کی فارسی غزلوں کا دوسرا مجموعہ ہے جو ۱۹۰۹ء میں مطبع احمدی علی گڑھ سے شائع ہوا۔

[۵]

مولانا فاروق چریاکوٹیؒ (۱)

[ا]

ثمرة غصن السعادة ، لازال صاعداً لمصاعد المجد والسيادة ، واعلم انی كتبت من بنارس كتاباً لكنه لم يبلغ الیّ منک جواباً ، والأن انی لمنتظر جوابک ، و مريد خطابک فعليک ان تعجل باجابة ندائی و سماعة دعائی لاشد اليک رحل الاشتياق حتی يرتفع من بيننا حجب الفراق ، وانی اليوم قداعلنی السفر وردائة هٰذاالمقر ، وسيفصل القضية (۲) ان شاء رب البرية يوم الاثنين ۱۲ من الشهر الافرنجی ، وتسليمات ذاكيات

شاخِ سعادت کے ثمر ، سروری وسرافروزی کی بلندیوں کی طرف سدا مائل پرواز رہو ، تم کو معلوم ہو کہ میں نے ایک خط بنارس سے لکھا ، لیکن تمہاری طرف سے اس کا جواب میرے پاس نہیں آیا اور اب بھی میں تمہارے جواب کا منتظر اور تمہارے پیغام کا آرزومند ہوں ، پس یہ لازم ہے کہ تم جلد میری پکار کا جواب دو اور میری آواز پر لبیک کہو تا کہ میں فرط شوق میں رخت سفر باندھوں یہاں تک کہ ہمارے درمیان سے ہجر وفراق کے پردے اٹھ جائیں ، آج مجھے سفر اور اس جگہ کی ناخوش گواری نے بیمار کردیا۔ اگر پروردگار عالم نے چاہا تو مقدمہ کا فیصلہ عنقریب ہوجائے گا۔ بروز دوشنبہ

و تحیات لجناب کعبة المکرمات مولانا محمد کامل(۳) دام دولته ۲۱ محمد فاروق من مقام بلیا دولت خانه محمد خلیل(۴)

فرنگی مہینے کی ۲۱؍تاریخ، مکرمات کے کعبہ مولانا محمد کامل صاحب دام اقبالہٗ کی بارگاہ میں تحیات و مشک بیز سلام، منجانب محمد فاروق از مقام بلیا دولت خانہ محمد خلیل

[ماخذ: ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء ص ۴۶۶-۴۶۷]

---

[۲]

بسم اللّٰہ

قرة عینی ، کشف اللّٰہ و ازاح بعداً بینک و بیننی الیوم قد بلغنی کتابک و وقفت علی ماحوی (به) خطابک فقر عینی و سرّ بالی ، و رحض عنی درن کآبتی و ملالی، بارک اللّٰہ لک فی الادب و المال وزادک برکةً فی محاسن الاعمال ، وما سألتنی عن حالی. و بزی الخلق البالی ، فقضیتی التی کانت بینی و بین البغیض الخنفع دائرة لم تختم الاٰن، اللهم انصرنی علیه و اجعل منک علیه دائرة. لعل اللّٰہ یجیب دعوتی و یقضی وطری فیما یأتی من الاسبوع، ثم

اللہ کے نام سے

میری آنکھوں کی ٹھنڈک! خدا تمہارے اور میرے درمیان کی دوری کو ختم کرے۔ آج کے دن تمہارا خط میرے پاس پہنچا اور تمہارے پیغام میں جو باتیں تھیں ان سے مجھے آگاہی ہوئی، اس سے میری آنکھ کو ٹھنڈک ملی، میرے دل کو خوشی حاصل ہوئی اور حزن وغم کا میل دھل گیا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ادب اور مال میں برکت دے اور تمہارے نیک اعمال میں افزونی ہو، تم نے میرا حال دریافت کیا ہے اور میری خستگی اور پریشانی کے متعلق پوچھا ہے تو سنو جو مقدمہ میرے اور نابکار دشمن کے درمیان چل رہا تھا، وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ اے اللہ تو اس کے مقابل میری مدد کر اور اس پر اپنی طرف

احاول ان شاء اللّٰه تعالیٰ الی وطنی الرجوع لواخذت الفطانة بیدیک . اشتریت الحاشیة وترکت الشرح الذی کان حاصلاً لدیک، الھوادی جمع ھادٍ بمعنی نصل السھم ، العبارة الصحیحة سنان الھوادی ، والدعاء .العبد المذنب الخاطی العاصی محمد المدعو بالفاروق الحنفی العباسی ۱۲ /ر بیع الاول من الہ آباد.(۵)

سے مصیبت نازل فرما ۔ شاید اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمائے اور اگلے ہفتے میں میری مراد پوری کرے ۔اس کے بعد میں انشاءاللہ اپنے وطن لوٹنے کا قصد کروں گا سمجھ داری یہ ہوتی کہ حاشیہ لے لیتے اور تمہارے پاس جو شرح ہے اسے چھوڑ دیتے۔ ھوادی ، ھادی کی جمع ،معنی تیر کا پھل،صحیح عبارت **سنان الھوادی** ہے،دعا،بندۂ گنہ گار،خطا کار،ناہنجار،نابکار محمد المعروف بہ فاروق حنفی عباسی ۱۲/ ربیع الاول ازالہ آباد۔

[ماخذ: ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء۔ص ۴۶۸-۴۷۰]

[۳]

بُنَیّ ، لازلت تتجنب الغی قد ورد کتابک ، و بادرالی خطابک فاعلم انی قدا تیت ھذا المربع الفقر البلقع ، ذا الفقر المدقع ، منتجعا لواحة تھمع للکریم الاروع ، الخلیل المصقع الجلیل السمیدع لازال ذاوجه طلق وکف اوسع جائزه للمزا یا اجمع وقد اصبحت فی امن ودعة و خفض

میرے بچے! خدا کرے تو ہمیشہ برائی سے بچا رہے۔تمہارا خط آیا اور مجھ تک تمہارا سلام و پیام پہونچا ، پس تم کو معلوم ہو کہ میں اس چٹیل ویران بیابان جگہ میں آ گیا ہوں، جو فقر و فاقہ اور ذلت و مسکنت کی جولان گاہ ہے ، یہاں راحت کا فقدان ہے ، یہ زمین ایسے شرفاء کو روتی ہے جو وجیہ وشکیل ہوں ، دوستی کے قابل ہوں ، خوش صفات ہوں ، بارعب و پروقار ہوں ،

وسعة ، اماالخصومة الدائرة بين هٰذا العبدالاثيم وبين البغيض الزنيم فالحمدللّٰه الكريم علٰى ماخاب الخصيم اللئيم قد خسر البلندام الجاهل، وقدجاء الحق و زهق الباطل بارك اللّٰه لحاكم عدل جامع اٰيات فضل . الذمر الحامى، الحبر المحامى المطعم الكاسى الأئن الأسى ، مولٰى البائين ثمال الأئين لازال ظله ممدوة الىٰ ابد الأبود ، وخباء جلاله مطنبا بطنب الخلود ، وما بقى من البوس والعناء والخصب والرخاء فان فان شاء اللّٰه تعالى انبئك عند اللقاء ، وانا اليك آت فى اقرب ساعات واعجل اوقات،المرقوم ۲۳/ افرنجى ۱۸۸۰ مسحية.
العبد محمد فاروق.(٦)

سر برآوردہ ہوں ، بلند ہمت ہوں، جن کا چہرہ ہمیشہ مسکراتا ہو، جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہو، جوتمام محاسن سے بہرہ ور ہوں، میں آرام سے ہوں،خوش ہوں،مرفہ الحال، فارغ البال ہوں، رہا مقدمہ جواس گنہ گار بندے اور ولی الطبع دشمن کے درمیان چل رہا تھا تو اس پر خدائے کریم کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے کہ اس دون فطرت حریف کو شکست ہوئی ، اس احمق جاہل کو ناکامی ہوئی، حق آیا اور باطل نابود ہوا، انصاف پرور حاکم کو اللہ اپنی برکتوں سے نوازے، وہ حاکم عدل گستر ہے ،فضیلت کی سب باتیں اس میں جمع ہیں، وہ اولوالعزم ہے، بلند و بالا شخصیت کا مالک ذی علم ہے، کامگار ہے، کھلانے والا ہے، پہنانے والا ہے، عطا کرنے والا ہے، تسلی دینے والا ہے ۔ بدحالوں کا ملجا، مایوسوں کا ماویٰ ہے ۔ اس کا سایۂ عاطفت ابدالآباد تک پھیلا رہے اور اس کی سطوت کا خیمہ ہمیشگی کی رسی سے تنا رہے، دکھ سکھ اور رنج و راحت کی باقی باتیں ان شاء اللہ ملاقات کے وقت سناؤں گا، میں تمہارے پاس بہت

جلد اولین فرصت میں آنے والا ہوں، لکھنے
کی تاریخ ۲۳/افرنگی ۱۸۸۰ء، بندۂ الٰہی محمد فاروق

[ماخذ: ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء۔ص ۴۷۰-۴۷۲]

---

[۴]

بُنّی ! لا زلت تتجنب الغی، قد	میرے عزیز بیٹے! تم گمرہی سے ہمیشہ محفوظ
بلغنا امس الغابر، هذا البلد القفر	رہو۔ گذشتہ کل ہم اس بے وفا شہر بیاباں
الغادر واقمنا قبل ذالک المقام	میں پہونچے اور یہاں آنے سے پہلے دس
بغازی پور عشرة ایام، والاٰن	دن غازی پور میں ٹھہرے، یہاں آکر مجھے
وسمعت ان کتابا منک قد رجع	معلوم ہوا کہ تمہارا ایک خط بندۂ گرفتار بلا
قهقریٰ غیر واصل الی العبد	تک پہونچے بغیر الٹا واپس گیا اور میں نے
المبتلی، وانی رأیت رسالتک (۷)	تمہارا رسالہ دیکھا اور گہری نظر سے تمہاری
ولا حظت بعین المتعمق مقالتک،	تحریر کا مطالعہ کیا۔ اب میں تھوڑی سے محنت
الاٰن باذلَ قدراًمن جهدی فی ربط	کر کے کہیں کہیں اس کی بے ربطیوں کو
بعض شتاتها و تعبیر بعض الفاظها	ٹھیک کر دوں گا اور بعض جگہ الفاظ کو بھی
وکلماتها ، والدعاء. ۱۲/ محمد	درست کروں گا۔ دعاء فقط محمد فاروق
فاروق من مقام بلیا، دار الخلیل.(۸)	از مقام بلیا، دار الخلیل۔

[ماخذ: ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء۔ص ۴۷۳]

تعلیقات وحواشی

(۱) مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (م: ۲۸/اکتوبر ۱۹۰۹ء) یگانہ روزگار علماء وفضلاء میں سے تھے۔ انہیں درس وتدریس میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ ہندوستان کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کا

فریضہ انجام دیا۔ کچھ دنوں تک مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور سے وابستہ رہے۔ یہیں علامہ شبلی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ پھر مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ میں جسے علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل (م: ۱۹۰۰ء) نے قائم کیا تھا، مدرس مقرر ہوئے۔ علامہ شبلی نے ان سے تمام تر تعلیم یہیں حاصل کی۔ ان کے چشمہ فیض سے سیکڑوں اشخاص فیضیاب ہوئے۔ ان میں علامہ شبلی کا نام سب سے نمایاں ہے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ ''میری تمام تر کائنات انہیں کے افادات ہیں۔''

[ماہنامہ الندوہ لکھنؤ اکتوبر ۱۹۰۹ء]

مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کو اپنے شاگرد علامہ شبلی نعمانی سے بڑا گہرا اور قلبی تعلق تھا۔ ان کی تعلیم وتربیت بھی بڑے مشفقانہ انداز میں کی تھی۔ نعمانی کا لقب انہیں کا دیا ہوا ہے۔ وہ علامہ شبلی نعمانی سے اکثر فخریہ انداز میں **انا اسد و انت شبلی**. [میں شیر ہوں اور تو شیر کا بچہ] کہا کرتے تھے۔

[حیات شبلی ص ۹۲، طبع جدید ۲۰۰۸ء]

۲۸/اکتوبر ۱۹۰۹ء کو غازی پور میں انتقال کیا۔

علامہ شبلی کے نام مولانا فاروق چریاکوٹی کے یہ عربی خطوط ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مرحوم کو دارالمصنّفین میں ملے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترجمہ وحواشی کے ساتھ ان خطوط کو ماہنامہ معارف میں طبع کرایا۔ ان خطوط کے علاوہ ان کا کوئی اور خط اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کا بھی کوئی خط کہیں دستیاب نہیں۔ مکاتیب شبلی اور مکتوبات شبلی بھی ان سے خالی ہیں۔ حالاں کہ دونوں کے درمیان خط وکتابت کا ذکر ملتا ہے۔

(۲) مولانا فاروق چریاکوٹی کے مکان پر کسی شخص نے دعویٰ کر دیا تھا۔ اس خط میں اسی مقدمہ کا ذکر ہے۔ جس میں بالآخر مولانا کو کامیابی ملی۔

(۳) اس خط پر ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے یہ نوٹ لکھا ہے:

''یہ خط پوسٹ کارڈ کے ایک طرف ہے جس کا طول وعرض آج کل کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور اس پر ایسٹ انڈیا کارڈ انگریزی میں چھپا ہوا ہے اور اس سے مراد ایسٹ انڈیا کمپنی نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کا مشرقی حصہ ہے۔ اس کی

قیمت چوتھائی آنہ یعنی اس وقت کا ایک پیسہ ہے۔ جب کہ روپیہ میں سولہ آنے اور چونسٹھ پیسے ہوتے تھے۔ پوسٹ کارڈ کے دوسری طرف پتہ درج ذیل ہے:

انشاءاللہ تعالی مکتوب بہ ضلع و مقام بستی خاص بدولت خانہ مولوی محمد کامل صاحب صدرامین بمطالعہ نورچشم مولوی محمد شبلی وکیل سلمہ اللہ تعالی درآید۔''

پوسٹ کارڈ پر ایک مہر بلیا کی ہے جس میں ۱۵/ مارچ کی تاریخ ہے۔ دوسری مہر بستی کی ہے جس میں ۱۷/ مارچ کی تاریخ ہے گویا یہ خط بلیا سے بستی لکھا گیا اور دو دن میں پہونچا، اس وقت ڈاک خانہ کی مہر میں صرف مقام اور مہینہ کی تاریخ ہوتی تھی، سال کا ذکر نہیں ہوتا تھا، اس لئے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سنہ کون سا تھا۔ [۱۸۸۲ء] پتہ کے اندر مولانا شبلی کو وکیل لکھا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب مولانا شبلی تعلیم سے فراغت کے بعد بستی میں وکالت کر رہے تھے۔''

[ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء ص ۴۶۷-۴۶۸]

(۵) یہ خط پوسٹ کارڈ پر ہے اور درج ذیل پتہ پر بھیجا گیا ہے:

''انشاء اللہ تعالی مکتوب بہ رام پور دارالریاست بدولت خانہ مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رسیدہ بمطالعہ نورچشم مولوی محمد شبلی سلمہ اللہ تعالی درآید۔''

یہ خط الہ آباد سے رام پور بھیجا گیا ہے جیسا کہ پتہ سے ظاہر ہے، اس پر الہ آباد ڈاکخانہ کی جو مہر لگی ہے اس پر ۲۴/ فروری کی تاریخ درج ہے، رام پور ڈاک خانہ کی مہر میں ۲۶/ فروری کی تاریخ درج ہے گویا تین دن میں یہ خط الہ آباد سے رام پور پہنچا۔ چونکہ مولانا شبلی رام پور سے اعظم گڑھ آ گئے تھے اس لئے یہ خط پھر اعظم گڑھ بھیجا گیا۔ ڈاکخانہ اعظم گڑھ کی مہر میں ۴/ مارچ درج ہے۔''

[ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء ص ۴۷۰]

(۶) ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے اس خط کے بارے میں لکھا ہے کہ

''یہ خط پوسٹ کارڈ پر ہے اور اس پر یہ پتہ درج ہے، انشاءاللہ تعالی بلدہ الہ آباد

صدر مکان سید اکبر حسین صاحب وکیل ہائی کورٹ رسیدہ بتوجہ قاضی عبدالغفار محرر رسید ممدوح بمطالعہ مولوی محمد شبلی سلمہ اللہ تعالی۔''

مہر: [۱] بلیا تاریخ پڑھی نہیں جاتی، غالباً ۲۳ر ہو کہ یہی تاریخ خط میں ہے۔ [۲] الہ آباد جنوری ۲۵ر غالباً اس لئے کہ جنوری کے بعد ۵ کا عدد تو بالکل صاف ہے جو ۲ ہی ہوسکتی ہے، چار میں سے یہی ایک خط ہے جس کی تاریخ کتابت متعین کی جاسکتی تھی، ۲۳ر جنوری ۱۸۸۰ء، باقی تین خط بھی پس وپیش اسی زمانہ کے ہیں، یہ بات بے تامل کہی جاسکتی ہے کہ یہ خط سوسال پرانے ہیں۔''

[ماہنامہ معارف جون ۱۹۸۸ء ص ۴۷۲-۴۷۳]

اب یہ خطوط سوا سو سال پرانے ہوچکے ہیں۔

(۷) اس زمانہ میں علامہ شبلی کا عربی رسالہ اسکات المعتدی علی انصات المقتدی شائع ہوا تھا غالباً اس کی زبان درست کرنے کا ذکر ہے، معلوم نہیں پھر انہوں نے اس کی طرف توجہ دی یا نہیں۔

(۸) اس خط پر یہ پتہ درج ہے:

''اعظم گڑھ وکالت خانہ شیخ حبیب اللہ صاحب وکیل، بمطالعہ مولوی محمد شبلی سلمہ اللہ تعالی در آید۔''

اس خط پر دو مہریں لگی ہیں، پہلی ضلع بلیا کی ہے جس پر ۸ر نومبر اور دوسری مہر اعظم گڑھ کی ہے جس پر ۱۱ر نومبر درج ہے۔

[٦]

اکبرالہ آبادی

[ا]

حضور والا!

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش اور بامراد رکھے۔ یاقوت رقم خان کہاں مل گئے کہ حسن خط نے آنکھوں کو روشن کر دیا۔ ہونہ ہو ہمارے کرم گستر اور محبّ خالص مولانا ابوالکلام آزاد ہیں اور غالباً آپ کے دربار میں ان کی موجودگی زیادہ تر باعث اس کی ہوئی کہ آپ نے بہ اصرار مجھ کو طلب فرمایا۔ میں خوش ہوا کیونکہ یہ میری عزت افزائی ہے۔ یہ دھمکی کہ ساری عمر شکایت رہے گی، بہت ہلکی اور غیر موثر نکلی۔ ساری عمراب ہوگی کتنی لیکن مجھ کو خود شوق ہے، کیا کروں کیا کہوں۔ کجا دانند حال ماسبک ساران سا رہا۔ آخر اپریل تک ہاشم کے تعلق اسکول وامتحان کے سبب سے ہل نہیں سکتا۔ اس بچے کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں بھی کیا کرسکتا ہوں لیکن وہ مجھ کو نہیں چھوڑتا، شدید ضیق میں ہوں، زندہ رہا تو دو ایک سال یہ پابندی اور ہے۔ ندوہ عربی اسلامی لٹریچر کا ہندوستان میں مرکز تسلیم کرلیا گیا ہے۔ پانیر (Pioneer) نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ خدا ایسا ہی ثابت کرے۔

تخم اسکہ برامیدے کاشتم، سبز گردہ نہ خدایں وازرا۔ آپ عربی کے باوفا اور سعادت مند شاگرد ثابت ہوئے۔ عربی لٹریچر کی دیوی آپ پر نازاں ہوں گی کہ آپ نے پورا حق شاگردی ادا کیا۔ علی گڑھ کالج کا تعلق سبب خیر ہوگیا۔ بعض حضرات خواہاں ترقی اسلام تو یہ فرماتے ہیں یا ایسا خیال کرتے ہیں۔

بزرگان ملت نے کی ہے توجہ
کمی پر رہیں گے نہ عالم نے عابد

ترقی دین ہوگی اب روز افزوں
علی گڑھ کا کالج ہے لندن ان کی سمجھ

اگر یہ صحیح ہے تو افسوس ہم وہی رہے دنیا بدل گئی۔ اس جلسے کا فوٹو لیجئے۔ خیر اندیشان ندوہ مول لیں۔ انشاءاللہ شرط زندگی وصحت مئی میں حاضر ہوں گا۔ پبلک کا بہت تقاضہ ہے۔ مجبور ہوں، کلیات کا اڈیشن ثانی اور حصہ دوم کا اڈیشن اول زیر طبع ہے۔ بہ قول آپ کے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ اب مطلق دل نہیں لگتا۔ اب تو ایک طرح کی فضول سعی۔ دو تین شعر حصہ دوم کے پیش کرتا ہوں:

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کسی پر کیا گذرتی ہے

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانے کو
یہی ذرے ابرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے

گناہوں سے نہ باز آئے گی بیباک ہستی ہے
جہنم سے سوا طاعون سے یہ قوم ڈرتی ہے

ایک اور مطلع ملاحظہ ہو:

اپنی نگاہوں سے حلقہ کس رہے ہیں حال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

آپ کا
اکبرحسین

الہ آباد،۴؍اپریل ۱۹۱۴ء

[ماخذ: محفوظہ میوزیم دارالمصنّفین اعظم گڑھ]

---

[۲]

آتا نہیں مجھ کو قبلا قبلی   بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات   کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دَلیا   سمجھو اس کو پلاؤ قلیا (۲)

اکبر حسین

۲۳؍نومبر ۱۹۰۷ء

تعلیقات و حواشی

(۱) سید اکبر حسین، اکبر الہ آبادی [۱۸۴۶-۱۹۲۱ء] اردو میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے باوا آدم، شبلی کے بڑے پرستار تھے۔ فرماتے ہیں:

واہ ! کیا بات ہے تیری شبلی
نثر میں بھی ادائے غالب لی

اڈیٹر بول اٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتب خانہ

اکبر الہ آبادی سے ان کے دیرینہ مراسم تھے۔ یقیناً خط و کتابت بھی رہی ہوگی مگر اس اکلوتے خط کے سوا دونوں کے کسی اور خط کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ خط بھی بہت بوسیدہ ہے۔ کئی مقامات پر پڑھا نہیں جا سکا اور بعض الفاظ تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آئے۔

(۲) علامہ شبلی کی الہ آباد آمدورفت رہتی تھی۔ یہاں کا ایک دلچسپ واقعہ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

''میر اکبر حسین صاحب قافیوں کے بادشاہ تھے۔الہ آباد میں ایک دفعہ مولانا [شبلی] نے کہا کہ میر صاحب میں آپ کی تلاش قافیہ کا جب قائل ہوں گا، جب آپ میرے نام کا قافیہ باندھیں۔میر صاحب نے ہنس کر فرمایا ''دیکھئے میں آپ کو بھی باندھتا ہوں''۔بات ہنسی میں ختم ہوگئی۔ایک-دوروز کے بعد میر صاحب نے ۲۳ر نومبر ۱۹۰۷ء کو دعوت کا ایک منظوم رقعہ ان کے پاس بھیجا۔

یہ وہی منظوم رقعہ ہے۔علامہ شبلی نے بھی اس کا منظوم جواب بھیجا:

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال — لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں

آپ کے لطف وکرم کا مجھے انکار نہیں — حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں

لیکن اب وہ میں نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا — اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں

دل کے بہلانے کی باتیں ہیں وگر نہ شبلی

جیتے جی مردہ ہوں، مرحوم ہوں، مغفور ہوں میں

[حیات شبلی ص ۴۷۴، طبع جدید]

[۷]

جرجی زیدان(۱)

الهلال مصر	الہلال مصر
۱۸/مارس ۱۹۱۲ء	۱۸/مارچ ۱۹۱۲ء
حضرة شیخ شبلی النعمانی	جناب شیخ شبلی نعمانی
وقع نظری منذ بضعة اشهر فی مجلة ندوة العلماء علی مقالة لکم با للغة الهندوستانیة قرأت فی خلالها	میری نگاہ سے ندوۃ العلماء کے مجلّہ [الندوہ] میں آپ کا ہندوستانی زبان کا مقالہ گذرا، میں نے اس میں پڑھا......
(۲)......ان الفاظ الکذب و الخیانة والدسائس و ضحویه الامثال؟ لما جاء فی ذلک الانتقاد لا یلیق صدورها من الشیخ شبلی النعمانی اکبر علماء الهند فهی لا تلیق بمقالکم العلمی و لا بشیخوختکم ولا بمنزلتکم و لیس بیننا و بینکم مالا یوجب هذا الخروج و نحن کما اعترفتم لم نذکرکم تلک اللهجة تقوی حجتکم فی	......دروغ گوئی، خیانت، دسیسہ کاری وغیرہ جیسے الفاظ اس تنقید میں نظر آئے جن کا شیخ شبلی نعمانی ہندوستان کے سب سے بڑے عالم سے صدور شایان شان نہیں ہے۔ یہ آپ کے علمی مقالہ، بزرگی اور مرتبہ و مقام کے علاوہ ہمارے آپسی تعلق کے بھی برخلاف ہیں، ہم نے جیسا کہ آپ نے اعتراف کیا ہے، آپ کا ذکر عظمت و احترام سے کیا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لب ولہجہ اس تنقید میں آپ کے

ذلک الانتقاد وهی بعیدة من .... الانتقاد او هی من خیط العنکبوت وهی منا قضة نفسها بنفسها، یکفی للقاری............ فسادها و لولا ما تضمنة من اسباب القبیح ای لو کتبتم ان ذلک الانتقاد مجردا عن المطاعن کما کنا نتوقع منکم له وعا علیکم باحثنا کم .... و بینا خطا کم بالبرهان، اما وقد عاهدنا نفسنا بالسکوت عن امثال هذه المطاعن فاکتفی بحکم القراء ولم اکتب هذا الیکم الالابشکم عتبی و لم اشأ ان افضی یدی فی صداقتکم قبل ان اشکو الیکم خروجکم عن حقوق الصداقة الا ان یکون ما...... الیکم.دخول علی مقالتکم فشأنکم وفی داخله، اما انا فقد عملت بواجب الصداقة و بحقوق الادب و کتبت هذا الیکم علی سبیل العتب.

دلائل کو طاقت ور بنا دے گا، یہ.....تنقید تار عنکبوت سے زیادہ کمزور اور باہم متناقض ہے، قاری کے سامنے اس کی کمزوری واضح ہو جائے گی، اگر اس کے اندر قباحت نہ ہوتی اور یہ تنقید طعن وطنز سے خالی ہوتی جیسی کہ ہم کو آپ سے امید تھی تو آپ سے بحث و گفتگو کرتے اور یہ دلائل آپ کی غلطیاں واضح کرتے۔ ہم نے اس قسم کے طعن وتشنیع پر خاموش رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور قارئین پر فیصلہ چھوڑتے ہیں، میں نے صرف اپنے دکھ کے اظہار کے لئے یہ خط لکھا ہے۔ اور یہ اچھا نہیں لگا کہ آپ کے حق دوستی کو پامال کرنے کا شکوہ کرنے سے پہلے دوستی کا ہاتھ کھینچ لوں۔ جہاں تک مقالہ کا معاملہ ہے وہ آپ کا معاملہ ہے۔ میں نے تو صرف دکھ کے اظہار کے لئے خط لکھا ہے۔

میرا غالب گمان ہے کہ آپ بعض غرض منداور دفاع عرب کے نام پر لقمہ توڑنے والوں کے ورغلانے میں آ گئے ہیں اور اس بنا پر آپ نے اپنی تنقید کی بنیاد عرب کے طعن کے جواب میں اتہامی بنائی جو ایک سیاسی

ويغلب على ظنى انكم اخذتم على غـرة فـى بعض ذوى الاغـراض طلاب الـرزق بـحجة الدفاع عن العـرب فـحسـن لـكم ان تجعلوا قـاعـدة انتـقادكم اتهامى بالطعن عـلـى الـعرب لغرض سياسى له و يـس...... والا فـالـكتاب صدر منذ عشـر سـنـوات و مـلأ الـقـارات الـخـمـس و تـرجمه الى خمـس لـغـات فـلـمـا ذالم يظهر الانتقاد عـليـه الا بـعـد ظهـور الاخـتـلاف السيـاسـى الـعثمانى بين الترک والعـرب، و كـفـى ليس فى العالم عاقل و لا مجنون يتوهم.

مقصد ہے۔............ یہ کتاب تو دس برس سے شائع ہو رہی ہے اور پانچوں بر اعظم میں پھیل چکی ہے اور پانچ زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے ہے، (۳) آخر عثمانی سیاست کے اختلاف کے ظہور کے بعد جو عربوں اور ترکوں کے مابین ہوئے یہ تنقید کیوں منظر عام پر آئی۔

[ماخذ: محفوظہ دار المصنّفین اعظم گڑھ]

تعلیقات و حواشی

(۱) جرجی زیدان: مشہور عیسائی مورخ و مصنف اور مجلّہ الہلال مصر کا ایڈیٹر جس نے پانچ جلدوں میں اسلامی تمدن کی تاریخ ''تاریخ التمدن الاسلامی'' کے نام سے لکھی ہے۔ اس کتاب میں اس نے بظاہر اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخ لکھی ہے لیکن درحقیقت اس نے عربوں پر سخت تنقیدیں کی ہے۔ اس کی آڑ میں اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو مطعون کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے اس کی تردید میں ایک کتاب الانتقاد لکھی۔ [ملاحظہ ہو آثار شبلی ص ۲۸۱]

جرجی زیدان سے علامہ شبلی کے گہرے علمی مراسم اور خط و کتابت کا سلسلہ تھا۔ اس کے کئی خطوط کا ذکر ملتا ہے۔ مگر اس نامکمل خط کے علاوہ کہیں کوئی خط دستیاب نہیں۔ یہ خط بقول مولانا سعید انصاری ۱۹۱٦ء تک دارالمصنّفین میں محفوظ تھا۔[البصیر شبلی نمبر ص٦٢] ایک عرصہ بعد یہ آدھا خط راقم کو ایک کتاب میں ملا تھا جو اب دارالمصنّفین میں محفوظ ہے۔ یہ خط تمدن اسلام پر نقد سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے اور سخت لب و لہجے میں ہے۔ علامہ شبلی نے اس کا جواب ضرور لکھا ہوگا مگر وہ دستیاب نہیں۔ ممکن ہے مجلّہ الہلال مصر میں جرجی زیدان نے ان کے خط کو شائع کیا ہو۔

(۲) ایک ورقی خط کا نیچے کا آدھا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ خط کی پہلی سطر کے بعد پشت کا آدھا صفحہ ہے۔ یہ اگرچہ آدھا ادھورا خط ہے تاہم اس سے خط کا اصل موضوع اور دونوں کے گہرے مراسم کا پورے طور پر اندازہ ہوتا ہے۔

(۳) تاریخ التمدن الاسلامی کے حصہ سوم کا اردو ترجمہ مولانا اسلم جیراج پوری نے کیا ہے جو دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

---

[۸]

مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱)

[ا]

حضرت استاذی و مولائی دام ظلہم

تسلیم۔ کتاب ارسطو غالباً مل گئی ہوگی۔ ایک قصیدہ ارسالِ خدمت ہے۔ بغرض ملاحظہ و تنقید۔ بوجہ علالت وضعف میں اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ رأی العلیل علیل.

اسی بحر و قافیہ میں خنساء کا ایک مختصر مگر بلیغ قصیدہ ہے۔

معلوم ہوا کہ جناب سرائے میر تشریف لے گئے تھے۔ کیا ہوا؟ (۲)

زیادہ حد ادب

حمید الدین

قصیده لابی احمد الانصاری

کیف القرار رو قد نُکس	**اعلامنا بطرابلس**
کیف القرار و حولنا	**الاعداء ترتقب الخلس**
من ذئب ان رأی	**من غرة فینا اختلس**
او افعوان مطرق	**ان لم نبادره نهس**
لهفیٰ علی اخواننا	**بین القتیل و من حُبس**
کم من تقی طاهر	**فهیم و نحریر ندس**

يـــا بـــوس ربـــات الـــخـــدو　　ر شـــر فـــن بـــا لـــمـــاء الـسلِـــس
جـــرت الـــحـتـــوف عـــلـــى　　الالـوف مـن الـزحـوف و مـن جلـس
يـــــا امة الاســــلام يـــــا　　ابـــنـــــاء آبـــــاء شُـــمُــــس
هـــل تـنـعـسـون و خـصـمـكـم　　عـــن كـيـــده مـــا ان نُـفِـــس
هـــل تـــر تـــضـــون بـــذلة　　والامـــر لـيـــس بـــمـلـتبـــس
والـــلّـــه لا نـــرضـــى بهـــا　　مـــادام فيـــنـــا مـن نـفـــس
ان لا تهبـــوا اليـــوم فـــا　　الاســلام يتـعــس بـل تـعـس
قـــد هُـــدمـــت اركـــانـــه　　حتـــى تـضـعـضـعـت الأسُـس
فـــاليـــوم ان لـــم تـدفـعـوا　　فـــليـــا تـيـن يـوم نـحـــس
انـــى ارى فتـــنـــاً تـــمـــو　　ج وقـــد ابـــان لـــمـن اَحَـــسّ
نـــارا تـــأ جـــج فـــى البـلا　　د وقـــد تـــلهبـــت الـوُطُـــس
الـــخـصـــم لـيـــس بـــمـوتـل　　حتـــى يـــرى الـحـق طُـمـــس
ســـلبـــوكهـــم شـــطـــر البـلا　　د ومـــا لهـــا مـــن مُـلتـمـــس
هـــذا و لـــمـــا يـــنـــكـــأ　　الـجـــرح الـقـطـيـع بـانـدلـس
فـلـئـن بـغـوا قسطـنـطـنية　　يـــطـــلبـــوا ارض الـــقـــدس
والـــلّـــه يـــا بـــى ان يـدنـس　　قـــدســـه الـــقـــوم النَـجـــس
أفـــكـــل يـــوم يـــنـــكـــص　　الاســـلام حتـــى يـــنـــدرس
هـــل يـدحـض الـحق الـنقـى　　ويـــغـلـب الـكـذب الـرجِـس
فـــــــاحـــــــمـــــــوا　　البيـضـــاء كـــا الاســد الشِـكس
واستـجـمـعوا عُـدَدا فـمـا　　تـجـرى السفيـن عـلى اليبـس
اعـنـــى الـمـراكـب و الـمـدا　　فـع والـكـتـائـب والـحـرس
و تـعـلـمـوا حيـل الـحـرو　　ب و ادفعـوا الـخصـم الشرس

فتأهبوا و تألبوا　　و تلببوا الوغى ضرس
و استنصروا اللّٰه المهـ　　فى العشى و فى الغلس
وليـنصرف اللّٰه من　　”ينصره“ فليحتمس(۳)

ترجمہ:

کیسے قرار آئے جب کہ طرابلس میں ہمارے جھنڈے گرادیے گئے۔

کیسے قرار آئے جب کہ دشمن ہمارے چاروں طرف جھپٹنے کے لیے گھات میں ہیں۔

اگر ہم غافل رہے تو یہ بھیڑیے، ہمیں اچک لے جائیں گے۔

یہ ڈسنے والے سانپ، اگر ہم نے آگے بڑھ کر ان کا سر نہ کچل دیا تو وہ ہمیں کاٹ کھائیں گے۔

حسرت ہے ہمارے ان بھائیوں پر جو مارے گئے یا قید ہوئے۔

ان میں کتنے ہی پرہیزگار اور پاکباز تھے، ذہین اور عقل مند تھے۔

ہائے پردے میں رہنے والیوں کی زبوں حالی جن کے چہرے شرافت کی آب وتاب سے روشن تھے۔

ہزاروں لقمۂ اجل بن گئے، ان میں عسکری بھی تھے

میں پکارتا ہوں اسلام کی امت کو، میں بلاتا ہوں ایسے آباء واجداد کے فرزندوں کو جو سورج کی طرح روشن اور بلند تھے۔

کیا تم پر غنودگی طاری ہے جب کہ تمہارا دشمن چوکنا اپنی چال میں مصروف ہے۔

کیا تم ذلت پر قانع ہو، صورت حال مبہم نہیں رہی۔

خدا کی قسم ہم ذلت پر راضی نہیں ہوں گے، جب تک ہم میں ایک آدمی بھی باقی ہے۔

اگر تم آج نہیں اٹھو گے تو اسلام خاک میں مل جائے گا، بلکہ خاک میں مل گیا۔

اس کے ستون ڈھ گئے، یہاں تک کہ بنیادیں ہل گئیں۔

اگر آج تم نہیں روکو گے تو برا دن آ کر رہے گا۔
میں فتنوں کا طوفان اٹھتا دیکھ رہا ہوں جو احساس کرے گا اس کے لیے یہ ظاہر ہے۔
میں آگ کو دیکھ رہا ہوں وہ بلاد میں بھڑک اٹھی ہے اور اس کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔
دشمن کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا، جب تک وہ حق کو مٹا ہوا نہ دیکھ لے گا۔
انہوں نے ملک کا ایک حصہ تم سے چھین لیا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو واپس لے۔
ابھی تک اندلس کے گہرے زخم کا علاج نہیں ہوا۔
اگر آج انہوں نے قسطنطنیہ کا مطالبہ کیا ہے تو کل وہ قدس کا مطالبہ کریں گے۔
خدا نہیں چاہتا کہ ناپاک قوم سرزمین قدس کے تقدس کو پامال کرے۔
کیا دن بہ دن اسلام سمٹتا جائے گا، یہاں تک کہ وہ مٹ جائے گا۔
کیا بے کھوٹ سچ دب جائے گا اور گندے جھوٹ کا بول بالا ہو گا۔
اٹھو اور بپھرے ہوئے شیروں کی طرح ملت بیضاء کے ناموس کی حفاظت کرو۔
سامان تیار کرو کہ خشکی پر سفینہ رواں نہیں ہوتا۔
یعنی سواریاں، توپیں، دستے اور محافظ اکٹھے کرو۔
فن حرب کی تربیت حاصل کرو اور بدطینت دشمن کو مار بھگاؤ۔
تیاری کرو، ایک پرچم تلے جمع ہو جاؤ اور گھمسان کی لڑائی کے لیے کمر باندھ لو۔
صبح و شام اللہ سے مدد مانگو جو پناہ دینے والا ہے۔
اور اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے، پس اٹھنا چاہیے۔ (۴)

[ماخذ: مکاتیب فراہی ص ۷۷-۸۱]

---

[۲]

”حـمَّـلـت علـی“ باب تفعیل سے مشتبہ ہے۔ باب ضرب میں تو خود خنساء کا شعر

ہے۔**ساحمل نفسی الخ**. میں نے یہ رائے کہ تشدید نکال دی جائے اس لیے نہیں دی کہ ''حملت نفسی علٰی احتمال'' میں ذرا تکلف کی بو آتی تھی۔ بہر حال اگر چھپ گیا ہے تو تشدید کا دور کرنا بہت آسان ہے۔ میرے خیال میں حملت نفسی......اس معنی کو حمّل نہیں ادا کرتا۔ بلکہ **حمّل** کے یہ معنی ہوں گے کہ نفس پر خود کوئی بوجھ رکھا۔ یہاں اعلٰی بے موقع ہے اور نیز اگر اعلٰی نکال دیں تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے نفس پر یہ بوجھ رکھا کہ وہ بوجھ۔'' (۵)

[ماخذ: مکاتیب فراہی ص ۸۱-۸۲]

---

[۳]

حكمة بعض الشرائع المتعلقة بفرائض الزوجين

زوجین کے فرائض سے متعلق بعض شرعی احکام کی حکمت

[ارسلت به الٰی استاذنا العلامة ، لما سألنی عن هذه المسئلة]

میں نے اسے اپنے علامہ استاد کو بھیجا جب انہوں نے مجھ سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا

المقدمة الاولٰی:

(فی ما فرض اللّٰه علی المسلمين فی معاشرتهم بازواجهم) قد فرض اللّٰه تعالٰی عموما علی المسلمين، القيام بالقسط والاحسان،والتطهر عن الفواحش والفساد،كما قال : (ان اللّٰه يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذی القربٰی وينهٰی عن الفحشاء و المنكر والبغی) و فی ذٰلک آيات

پہلا مقدمہ:

[ان امور کے بارے میں جو اللہ تعالٰی نے مسلمانوں پر اپنی بیویوں سے معاملت کے سلسلے میں واجب کیے ہیں] اللہ تعالٰی نے بلاتخصیص مسلمانوں پر یہ باتیں فرض کی ہیں: عدل و انصاف کا قیام ، احسان ، بے شرمی اور فساد سے اجتناب۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا ہے: [بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور قرابت دار کو

كثيرة.و من مواقع العدل والاحسان، معاشرة الزوجين، ففرض عليهم الاحسان والاصلاح و تقوى الله، بقوله تعالىٰ: (او ان تحسنوا تتقوا) و بقوله تعالىٰ: (وان تصلحوا وتتقوا) ۱۲۸،۱۲۹ من سورة النساء. فذٰلک مقصود بالذات، ولاجلها فرض الاكتفاء[۱] بواحدة ، بقوله تعالىٰ: (فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة) آية۳ من سورة النساء.والوعظ[۲] ،والهجر [۳] في المضاجع الىٰ مدة قليلة،بقوله: (ولن تسطيعوا ان تعدلوا بين النساء ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كا لمعلقة............) والضرب[۴] غير المبرح كما بينه الحديث، و يفهم ذٰلک ايضاً من القرآن، فان الضرب المبرح خلاف الصلح والقسط ، و بعث[۵] الحكم من اهله و اهلها، وهٰذه الطرق الخمس مذكورة في آية

کود ینے کا ، اور منع کرتا ہے بے شرمی ، برائی اور نافرمانی سے۔] اور اس کے بارے میں بہت سے آیتیں ہیں۔اورعدل اور احسان کا ایک موقع زوجین کی باہمی معاشرت بھی ہے۔لہٰذاان پرفرض کیااحسان اوراصلاح اوراللہ کاڈراپنے اس قول سے: [اوراگرتم احسان کرواورتقوی اختیارکرو] آیات۱۲۸–۱۲۹ ، سورہ نساء۔تو یہ مقصود بالذات ہے اور اس لیے ایک پر اکتفا کو فرض قرار دیا، اپنے اس قول سے : [پس اگرتم کواندیشہ ہوکہ تم عدل نہ کرسکوگےتو پھرایک پربس کرو] آیت۳سورہ نساء۔اور وعظ [۲] اور کچھ مدت کے لیے بستروں میں علیحدگی[۳] کی ہدایت کی،اپنےاس قول سے:[اورتم ہرگز عدل نہ کرسکوگےعورتوں کےدرمیان چاہےتم اس کےخواہاں ہو،پس بالکل ہی ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ چھوڑ دواس کولٹکا ہوا............]اورموقع محل دیکھ کر مارنا[۴]، جیسا کہ حدیث میں ہے اور یہ بات قرآن سے بھی معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ بے جا مارنا صلح اورانصاف پسندی کے منافی ہے۔اورمردوعورت کے خاندان

۳۴، ۳۵ من سورة النساء، والتفرق[۶] بعد استيفاء جميع طرق التوفيق والمصالحة، كما ذكر في آية ۱۳۰ من سورة النساء. و قد فرض عليهم الاكتفاء بالا ربع في كل حال، فكل ذٰلك ليقيموا ويقمن علٰى حدود اللّٰه، و يجتنبوا الفواحش والبغي والفساد، وبالجملة فعلى المرء المداراة و الشفقة، وعلى المرأة الطاعة و حفظ الغيب، كما قال تعالٰى: (الرجال قوامون على النساء..........الآية).

سے ثالث[۵] کا بھیجنااور یہ پانچ طریقے سورہ نساء کی آیات ۳۴-۳۵ میں بیان ہوئے ہیں اور مصالحت اور ہم آہنگی کے تمام طریقوں کوختم کر لینے کے بعدعلیحدگی [۶]، جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۳۰ میں ذکرفرمایااورعام مسلمانوں پر ہر حال میں چار بیویوں پر اکتفا کی پابندی عائد کردی۔ اور یہ سب اس لیے تا کہ مرد اورعورتیں حدود اللہ پر قائم رہ سکیں اور بے حیائی، نافرمانی اورفساد سے بچیں، حاصل یہ کہ مرد پر نرم خوئی اورمہربانی واجب کی اورعورت پر اطاعت اورغیب کی حفاظت فرض کی، جیسا کہ ارشاد باری ہے:[مردعورتوں پر قوام ہیں الآیۃ]

المقدمة الثانية :

(في الفرق بين الاحكام المقصودة لذاتها و المقصود لغيرها)

ماذكرنا يظهر ان من الاحكام ما ليس مقصوداً بالذات، بل لاصلاح مفسدة ناشئة من حكم

دوسرا مقدمہ:

(وہ احکام جومقصود بالذات ہیں اور وہ احکام جومقصود بالذات نہیں، ان کے باہمی فرق کے بارے میں)

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض احکام ایسے ہیں جومقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد کسی

جامع للنفع والضرر ، فان اكثر الاشياء محتملة للمنافع والمضار والافراط و التفريط ، فانزل اللّٰه الشرائع ، لتصلح المضار بالمنافع ، وترکب الاحكام بعضها ببعض حتى يستقيم السبيل. ومن هذا الباب كل ما ذكرنا من الامور الستة التى رخص لها بالنساء من الضرب والهجر و غيرهما. فان في النكاح مصالح لاتخفى ولا تحصى ، ومع ذٰلک فيه جمع الطبائع المختلفة والمشييات المتباعدة ، لا سيما عند كثرة الزوجات ، و قدر رخص لها لمصالح معلومة من التعفف ، والقسط باليتامٰى ، وكفالة النساء جميعهن فلابد من تشريع ما يصلح مفاسدها.

ایسی خرابی کی اصلاح ہوتا ہے جو نفع اور ضرر کے پہلوؤں کو جامع کسی حکم سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے کہ اکثر چیزوں میں فوائد اور نقصانات جمع ہوتے ہیں۔ ان میں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت کے قواعد وضوابط نازل فرمائے تاکہ نفع کی باتوں سے ضرر کی باتوں کی اصلاح کی جا سکے۔ اور بعض احکام کو بعض احکام کے ساتھ ملا کر راستے کو سیدھا کیا جا سکے۔ اور اسی بات سے تعلق رکھتے ہیں وہ چھ امور جن کا ہم نے ذکر کیا اور جن کی عورتوں کے ساتھ معاملت میں اجازت دی گئی ہے مثلاً مارنا، علیحدہ رکھنا وغیرہ۔ اس لیے کہ نکاح میں کھلے بے شمار فائدے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس میں مختلف طبیعتوں اور متضاد رجحانات کی یکجائی ہوتی ہے۔ خاص کر جب زیادہ بیویاں ہوں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ خاص مصالح ہیں جن کی وجہ سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے جیسے پاک دامنی، یتیموں کے ساتھ

انصاف اور فی الجملہ عورتوں کی کفالت۔
پس ضروری ہوا کہ ایسے قوانین وضع کیے
جائیں جو اس کی خرابیوں کی اصلاح کرسکیں

المقدمة الثالثة:

(فی الفرق بین الاحکام المقصود انفاذها والمقصود محض تشریعها)

الاحکام التی لم تقصد لذاتها، ایضاً قسمان: قسم قصد العمل به، کتعدد الازواج للقسط بالیتامٰی ، وکحرمة الزیادة علی الاربع ، و کالقتال فی سبیل اللّٰه وغیر ذٰلک وقسم جل مقصده ان یعلم الناس تشریعه، فیکون محض العلم به سبباً للتقویٰ ، کما شرع رد الیمین بالیمین، فقال تعالٰی : ذٰلک ادنٰی ان یاتوا بالشهادة علٰی وجهها او یخافوا ان ترد ایمان بعد ایمانهم، واتقوا اللّٰه و اسمعوا)و من هذا الباب تشریع القصاص، و

تیسرا مقدمہ:

(وہ احکام جن کا نافذ کرنا مقصود ہوتا ہے اور وہ احکام جن کی محض تشریع مقصود ہوتی ہے، ان کے باہمی فرق کے بارے میں)

وہ احکام جو مقصود بالذات نہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں : [ا] جن پر عمل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے یتیموں کے ساتھ عدل کے لیے ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اور جیسے چار بیویوں پر اضافہ کی حرمت، اور جیسے اللہ کی راہ میں جنگ وغیرہ۔ [۲] احکام کی دوسری قسم وہ ہے جس کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی تشریع کا علم ہو تا کہ اس کا مجرد علم تقویٰ کا سبب بنے، جیسے کہ شارح نے قَسم کے ذریعہ قَسم رد کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [یہ اس سے قریب تر ہے کہ وہ شہادت کو

تشـريـع كـل تـعزير ، فان جل نفعه تـخـويف الـنـــاس و مـنـــه تشـريع الـطلاق و الخلع ، فان الزوجين اذا عـلـمـا بـان لـكـل مـنهـما مفرغا و متـنـفسـا الـى التـفـريـق، بقيا على حـــريتهـمـــا و طيـب انفسهـمـا ، و تـعاشرا بالمداراة و المجاملة، خوفا مـــن اضـــاعة خيـــرات الـــزواج ، وتـطـرق الـمـعـرـة الـى الـمرء من الـخـلـع، و الى المرأة من الطلاق. فـاصـل الـمصلحة ليس في ايقا ع الـطـلاق و الـخـلـع ، بـل فـــي علم الرخصة بهما، فانا نرى الا مم التي ايـقنت بان لا طلاق و لاخلع، فهم امايحيفون نساء هم كالهنود فا بطلوا لهـن كـل استـقلال ، و اما تحيفهم نسـاء هـم كـالـنصارىٰ، حتى انهم يـفـزعون الى الافتراق مع احتمال كـــفـــــالتهـــن عـــلـــــى رغـــم انـوفهـم، او يقرعون باباًواحداً من الـطلاق الذى بقى لهم ، وهوا شنع ابـوابـه، فيشيـعـون الفاحشة. وقد

اس کے طریقہ پر ادا کریں یا انہیں اس کا ڈر ہو کہ قسمیں رد کر دی جائیں گی ان کی قسموں کے بعد اور ڈرو اللہ سے اور بات سنو] اور اسی قبیل سے ہے قصائص کی تشریع، اور ہر تعزیر کی تشریع، اس لیے کہ اس کا تمام فائدہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کیا جائے ۔ اور اسی قبیل سے طلاق اور خلع کی تشریع بھی ہے۔ اس لیے کہ زوجین کو جب یہ علم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے گلوخلاصی کا راستہ اور گنجائش موجود ہے، تو وہ اپنی آزادی اور خودمختاری پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مدارات اور حسن سلوک سے پیش آئیں گے، اس ڈر سے کہ کہیں ازدواجی زندگی کے فائدے مفقود نہ ہو جائیں، اور خلع کی وجہ سے مرد کو اور طلاق کی وجہ سے عورت کو خرابی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ لہٰذا اصل مصلحت طلاق اور خلع کے واقع کرنے میں نہیں ہے، بلکہ اس علم میں ہے کہ ان کی اجازت ہے۔ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اقوام جو یہ سمجھتی ہیں کہ نہ طلاق ہو سکتی ہے اور نہ

لـزمتهـم لتـحـريـمهم الزيادة على الـواحـده، ومـن هذا الباب رخصة الـضـرب والهـجـر فـى المضاجع، لـكيـلا يـفـضـى الـنشـوز الٰـى حد التـفـرق، فـان الـمقصود ليـس ان يـنـفذوا ذٰلک، بل محض ان تعلم الـمـرأة ان الواجب عليها الطاعة. فان اسخطت زوجها تعدت حدود الـلّٰـه، واستحقت الوعيد الشديد.

خلع، تو وہ یا تو اپنی عورتوں پر ظلم کرتے ہیں، جیسے ہندو لوگ کہ انہوں نے اپنی عورتوں کو ہر طرح کی آزادی سے محروم کر رکھا ہے، اور یا پھر ان کی عورتیں ان پر ظلم کرتی ہیں، جیسے کہ نصاریٰ، یہاں تک کہ وہ علیحدگی کا رخ کرتے ہیں، یہ جاننے کے باوجود کہ انہیں ان عورتوں کی خواہی نخواہی کفالت کرنی پڑے گی۔ یا پھر وہ طلاق کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں جو ان کے لیے واحد راستہ باقی رہ گیا۔ اور وہ بدترین دروازہ ہے۔ یوں وہ بے حیائی پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ چوں کہ ان کے ہاں ایک سے زیادہ نکاح حرام ہے، اس لیے بے حیائی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اسی باب کے تحت مارنے اور بستر سے الگ کرنے کی اجازت بھی آتی ہے تاکہ عورت کی نافرمانی علیٰحدگی کی انتہا تک نہ پہنچائے، اس لیے کہ اس حکم کا نفاذ مقصود نہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ عورت کو یہ معلوم رہے کہ اس پر شوہر کی اطاعت واجب ہے۔ اگر وہ اپنے شوہر کو ناراض کرے گی تو حدود اللہ کو توڑے گی اور سخت وعید کی مستحق ہوگی۔

المقدمة الرابعة:

(فی اثر الاحکام بعضها علی بعض)

بعد ما ذکرنا ان الشریعة وجدت المنافع و المضار مخلوطة، فرکبت بعضها ببعض لتصلح الامر، لا یخفی ان احکامات الشریعة اذا بدل بعضها، ربما تضطرب لاجله احکام آخر، فیحوج ذٰلک الٰی تبدیلات آخر. ولایتبین مصالح هٰذه التبدیلات الا بالنظر فی مصالح و مضار ما وقع بینهماالتبدیل، وما یتعلق بهما من احکام اخر، مثلا بعد ما انزل اللّٰه تعالٰی احکام الارث، احتیج الی نهی الوصیة للورثة، و قصر الوصایاالٰی ثلث المال. و بعد ماخفف بعض احکام التوراة الشدیدة، کالرجم، فرض نکاح امرأة الاخ المیت الذی لم یترک ولدا، جبرمصالحها با حکام آخر، کالحکم بعقاب الطغاة، والندب

چوتھا مقدمہ:

(بعض احکام کا اثر بعض پر ہوتا ہے۔)

یہ ذکر کرنے کے بعد کہ شریعت نے نفع اور ضرر کی باتوں کو مخلوط پایا، اس لیے اس نے بعض کو بعض کے ساتھ ترکیب دے کر اصلاح کر دی، یہ مخفی نہیں رہتا کہ شریعت کے احکام میں سے کوئی حکم جب تبدیل کیا جاتا ہے تو بسا اوقات اس کی وجہ سے دوسرے احکام پر اثر پڑتا ہے جس کے باعث اور تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان تبدیلیوں کی حکمت اس وقت تک واضح نہیں ہوتی، جب تک کہ ان احکام کے مصالح ومضار پر نظر نہ کی جائے جن کے مابین تبدیلی ہوئی ہے اور ان سے متعلق دوسرے احکام کے مصالح ومضار پر نظر نہ کی جائے۔ مثلاً احکام وراثت کے نزول کے بعد ورثاء کے لیے وصیت کی ممانعت اور وصیتوں کو ایک تہائی مال تک کم کر دینے کی ضرورت ہوئی۔ اور تورات کے بعض سخت احکام میں تخفیف کے بعد، جیسے رجم اور لاولد مرحوم بھائی کی بیوی کے

الـــى نـــكـــاح الايـــامـــى، وذكـــر تـــخويفات كثيرة،بعذاب الآخرة و تـصـويـر شـدته، كما قال (ما ننسخ مـن آية اونـنسهـا نـأت بـخيـر منها راى فيـمـانـنسخ) او مثلها، اى في مـانسـوهـالـكـفـرهم، فنسب اللّٰـه الانسـاء الٰـى ذاته، ليدل على كونه عـذابـاً مـن الـلّٰـه كـمـا قال (فلما ازاغواوزا غ اللّٰه قلوبهم).

نکاح کی فرضیت۔ان کے مصالح کی کسر دوسرے احکام کے ذریعہ پوری کردی، جیسے سرکشوں کی سزا کا حکم،اور بیواؤں کے نکاح کی تلقین اور بہت سے ڈراوے کی باتوں کا ذکر عذابِ آخرت اور اس کی شدت کی تصویر کشی کے ذریعہ، جیسا کہ ارشادفرمایا:

جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر آیت لے آتے ہیں۔ (یعنی جس میں کہ ہم منسوخ کرتے ہیں) یا اسی آیت جیسی آیت لے آتے ہیں (یعنی جس میں کہ انہوں نے بھلا دیا ہوتا ہے اپنے کفر کے سبب تو اللہ نے بھلوا دینے کی نسبت اپنی ذات کی طرف کر دی تا کہ اللہ کی طرف سے اس کے عذاب ہونے کی نشاندہی ہو، جیسا کہ ارشاد فرمایا: [پس جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کر دیا]

تاويل قوله تعالىٰ: (انا احللنا لک. الىٰ قوله. عليماً حكيماً)

[اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کہ ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیا۔اس کے قول علیم حکیم تک]

بـعـد تمهيد هذه المقدمات، نقول

ان تمہیدی مقدمات کے بعد، ہم کہتے ہیں

ان اللّٰہ تعالٰی لماجعل ازواج النبی امھات المسلمین، وحرم علیھم نکاحھن، و بذٰلک سد باب الطلاق، و کذٰلک لما عرض علیھن ان یسرحھن، فاخترن الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فلما انسد باب الخلع، انسد باب التفریق، و انسد منافع ھٰذہ الرخصۃ ایضاً، کما مرفی المقدمات و کذٰلک انسد کل ما رخص فیہ من الضرب، و ھجر البعض، و بعث الحکم، فان النبی کان اطوع لمرضات ازواجہ، لغایۃ رأفتہ بالضعفاء، فلم یکن لھن خوف من ضرب او غلظۃ، ولا من ان یھجر من نشزت ، فانہ جعل علٰی نفسہٖ التسویۃ فی قسمتھن، ثم لما حرم اللّٰہ علی المسلمین الزیادۃ علی الاربع، عزل النبی خمسا و ھن سودہ(۱) و جویریۃ(۲) وصفیہ(۳) وام حبیبۃ(۴) ومیمونۃ(۵) فحرمھن علٰی نفسہٖ من غیر تحریم من اللّٰہ،

کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ام المسلمین قرار دیا اور ان سے نکاح کو ان پر حرام کر دیا اور اس سے طلاق کا دروازہ بند کر دیا اور اسی طرح جب ان کو یہ پیش کش کی کہ وہ انہیں آزاد کر دے تو انہوں نے انتخاب کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، پس جب بند ہو گیا خلع کا دروازہ تو بند ہو گیا علیٰحدگی کا دروازہ اور اس رخصت کے فائدوں کا دروازہ بھی بند ہو گیا، جیسا کہ مقدمات میں گذر چکا ہے اور اسی طرح مارنے اور بعض کو علیٰحدہ کرنے اور ثالث بھیجنے کی جو رخصت دی گئی وہ بھی سب ختم ہو گئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کمزوروں کے ساتھ اپنی انتہائی درجے کی شفقت اور رحم دلی کے باعث اپنی بیویوں کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے بہت زیادہ آمادہ و تیار شخص تھے۔ اس لیے ان بیویوں کو مار یا سختی کا کوئی ڈر نہ تھا اور نہ اس کا ڈر تھا کہ معاملہ آپ کے اور ان کے مابین ثالث کے بھیجنے تک پہنچے گا۔ اس لیے کہ نبی کا مقام اس سے کہیں بلند ہوتا ہے، اور نہ انہیں اس کا

بل لشدة تقواه (و آوى منهن عائشة (١) و ام سلمة(٢) و حفصة و زينب(٤)) فكان ذٰلک باباً من الرهبانية ابتداعا، و كان مع ذٰلک حيفا على المعزولات، فلما وقعت هذه الامور، و بعضها كانت من عند اللّٰه و بعضها من رأی النبی و تشدده علٰی نفسه، احتیج الٰی کشف الامر فانزل اللّٰه تعالٰی: (انا احللنا لک ازواجک اللائی آتیت اجورهن — الٰی قولهٖ خالصة لک من دون المومنین) فذکر جمیع ازواج النبی، ولا اریٰ ذٰلک الا تفصیل ازواجه اللائی صرف له من قبل، ولا اراه رخصة لما نکحهن بعد ذٰلک، وقد اضطرب فی ھٰذا الموضع اقوال المفسرین. فمفهوم ھٰذہٖ الجملة عندی ان اللّٰه تعالٰی رفع بها تحریم المعزولات و اتبعها مایکون بیاناً لمصلحة التحلیل، فقال تعالٰی: (قد علمنا ما فرضنا علیهم فی

ڈر تھا کہ جو بیوی نافرمانی کرے گی اس کو آپ چھوڑ دیں گے، اس لیے کہ آپ نے اپنے اوپر ان کے حقوق کی تقسیم میں برابری کو لازم کر لیا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر چار سے زیادہ شادی کو حرام کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بیویوں کو الگ کر دیا اور وہ سودہ[۱] جویریہ[۲]، صفیہ [۳] ام حبیبہ [۴] اور میمونہ [۵] تھیں۔ پس آپ نے اللہ کی طرف سے تحریم کے بغیر اپنی شدت تقویٰ کی وجہ سے اپنے اوپر ان بیویوں کو حرام کر لیا۔ (اور ان میں سے [۱] عائشہ، [۲] ام سلمہ، [۳] حفصہ اور [۴] زینب کو اپنے ساتھ رکھا۔) یہ ایک طرح کی خود اختیار کردہ رہبانیت تھی اور اس کے ساتھ ہی ان بیویوں پر ظلم بھی تھا جن کو آپ نے ترک فرما دیا تھا۔ پس جب یہ باتیں ہوئیں اور ان میں سے بعض تو اللہ کی طرف سے تھیں اور بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے سے اور اپنے اوپر ان کے تشدد کی وجہ سے تھیں۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ بات واضح کر دی جائے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

ازواجهم وما ملكت ايمانهم لكيلا يكون عليك حرج و كان الله غفورا رحيما) فا شاربه الٰى جميع ما يصلح امرهم فيما يتعلق بتعائشهم بازواجهم، مما مرفى المقدمة الاولٰى،اى كل ما جعلنا على المسلمين كان بعلمى، فانا بها فرضنا عليهم، رفعناعنهم كل حرج، و كذٰلك ترفع عنك الحرج بما احللنا لك هٰذه الازواج ، فليس عليك ان تعزل بعضهن، فتظلم نفسك وانفسهن و كل ما فعلت فلا يواخذك الله به، فانه غفور رحيم. يحب الرحمة، وقدعلم انك لم تفعل ذٰلك الا من التقوىٰ والرحمة. و انزل لمزيد البيان قوله: (ترجى من تشاء منهن و تؤى اليك من تشاء و من ابتغيت ممن عزلت فلا جناح عليك) فاول هٰذه الجملة تشير الٰى انك كنت تراعى القسمة، فاذا سائك امر من

فرمائی: [ہم نے تمہارے لیے حلال کیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے دے دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول تک ۔ مومنوں کے برخلاف صرف تمہارے لیے] پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کا ذکر فرمایا اور میری رائے میں یہ صرف ان بیویوں کی تفصیل ہے جو اس سے پہلے آپ کے عقد میں آ چکی تھیں ۔ اور میں اسے ان بیویوں کے لیے اجازت نہیں سمجھتا جن سے آپ ان کے بعد نکاح کریں ۔ اس جگہ مفسرین کے اقوال میں بڑا اضطراب ہے ۔ میرے نزدیک اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ معزول بیویوں کی تحریم ختم کر دی اور اس کے بعد جو الفاظ ہیں وہ حلال کرنے کی مصلحت کی وضاحت ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: [ہمیں معلوم ہے جو ہم نے ان مسلمانوں پر فرض کیا ان کی بیویوں اور باندیوں کے بارے میں ، تا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ غفور و رحیم ہے] اس میں ان تمام باتوں کی طرف اشارہ کر دیا جو ازدواجی زندگی کے مسائل میں مسلمانوں

بعضهن ، كنت اما تغمض على القذى و تكظم على الشجى، واما تترك جميعهن، لكيلا تتهم بالميل الٰى بعضهن و بترك العدل التام ، فما عليك هٰذا التشدد، بل الارجاء والا بواء محول الٰى مشيتك. والتحويل الٰى مشية الحكيم لا يفهم منه الا رعاية غاية العدل، كما حول اللّٰه المغفرة والعذاب كثيرا الى مشيته، ولا يراد منه انه يفعل خلاف العدل، فانه تعالٰى نفى ذلك صريحاً فى كثير من الآيات، فلا يراد من هٰذه المشية الا انه ليس فى حكمه رعاية الوجوه و قبول الرشوه، و كذٰلك حول اذن من اراد الذهاب عن امر جامع الى النبى حيث قال تعالٰى: (ان الذين يستاذ نوك اولٰئك الذين يومنون باللّٰه و رسوله، فاذا استاذ نوك لبعض شانهم، فأذن لمن شئت منهم و استغفر لهم، ان اللّٰه غفور رحيم) اى ائذن لهم

کے معاملات کو درست رکھ سکتی ہیں، جن کا ذکر مقدمہ [۱] میں گزر چکا ہے۔ یعنی ہم نے جو کچھ مسلمانوں پر عائد کیا ہے وہ میرے علم میں ہے۔ ہم نے جو کچھ ان پر فرض کیا اس کے ذریعے ہم نے ان پر ہر طرح کی تنگی دور کردی۔ اور اسی طرح بیویوں کو تمہارے لیے حلال کر کے ہم تم سے بھی تنگی دور کرتے ہیں۔ پس تم کو ضرورت نہیں کہ تم ان میں سے بعض کو الگ کردو کہ اس طرح تم اپنے اوپر بھی ظلم کرو گے اور ان کے اوپر بھی۔ اور جو کچھ تم نے کیا اللہ اس پر تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا، اس لیے کہ غفور ورحیم ہے، رحمت کو پسند کرتا ہے۔ اور اسے معلوم ہے کہ تم نے محض تقویٰ اور رحمت کی وجہ سے یہ بات کی اور مزید توضیح کے لیے اپنا یہ قول نازل فرمایا: [تمہیں اختیار ہے تم ان میں سے جس کو چاہو پیچھے رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس رکھو اور اس کو بھی جس کو تمہارا جی چاہے ان میں سے جن کو تم نے الگ کر دیا ہے جو چاہو کرو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے] اس جملے کا پہلا حصہ اشارہ کرتا ہے کہ تم حقوق کا پاس کرتے

حسب فهمک من المصلحة والخير. فذٰلک المراد من هذا التخيير فی حق النبی، ليس الا ان تنتفع ازواجه بعلمه حسب ما ذکر فی المقدمة الثالثة. و نفصل ذٰلک النفع عن قريب.

و يؤيد ما قلنا ان النبی ﷺ لم يزل بعد هٰذا التخيير يراعی القسمة، فلو کان المراد انفاذه،لا نفذه، فهو برئ مما يتوهم احد انه جعل هذا التخيير لهوی نفسه. واما قوله (ومن ابتغيت ......)تصريح بما ذکر من التحليل، ای ان عزلک هٰذا لا تحرم عليک شيئاً، فانا احللنا لک جميع ازواجک.و بعد ذکر ما حکم اللّٰه به. بين مصلحة الحکم، فقال: (ذٰلک ادنٰی ان تقرا عينهن) ای هذا الحکم لم يکن حيفا علٰی ازواجک بل فيه مصالح: الاول[ا] ان تقر اعين المعزولات منهن، فانهن و ان رضين بان تبقين فی عداد

رہو، لہٰذا جب ان میں سے کسی کی طرف سے کوئی بات آزردگی کا سبب بنے تو تم یا تو درگزر کرو اور صبر سے کام لو یا تم ان سب کو چھوڑ دو تاکہ تم پر ان میں سے بعض کی طرف میلان اور کامل عدل کے ترک کا الزام نہ عائد کیا جا سکے۔ تو تم پر یہ سختی نہیں، بلکہ دور دور رکھنا یا پاس رکھنا تمہاری مشیت پر موقوف ہے۔ اور کسی معاملہ کو حکیم کی مشیت کے حوالہ کرنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ غایت درجہ کا عدل ملحوظ رکھے گا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور عذاب کے معاملہ کو اکثر اپنی مشیت کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عدل کے خلاف کرے گا، اس لیے کہ اس نے بہت سی آیات میں صریحاً اس کی نفی کی ہے۔ تو اس مشیت سے مراد یہی ہے کہ اس کے فیصلے میں نہ تو چہروں کا لحاظ ہے نہ قبول رشوت کا اثر۔ اور اسی طرح جن لوگوں نے ایک اجتماعی ذمہ داری کو چھوڑ کر جانا چاہا، ان کو اجازت دینے یا نہ دینے کے معاملہ کو نبی ﷺ کے سپرد کر دیا جہاں ارشاد فرمایا: [جو لوگ تم سے اجازت

ازواجک، فاذا ضمتهن الٰی غیر المعزولات زدن قرة اعین. والثانی[٢] رفع الحزن من اطاعة النبی، ولم یکن بهمها الاارضاؤه و معذٰلک یحمل النبی کلهن سواء، ویهجرها ان هجر من اراد اصلاحها ببعض الاعراض، کما وقع حین هجر کلهن لاجل بعضهن. والثالث[٣] ان ترضی کلهن، فانهن اذا علمن ان النبیؐ مخیرفی ما آتی بعضا دون بعض، ومع ذٰلک یراعی کمال التسویة زادهن رضیً و شکراً. فهٰذه کلها تفصیل منافع هٰذا التخییر. وانما جعل اللّٰه نفعه فی محض تشریعه، ثم لم یخیر الا من علم منه انه لایهضم الا نفسه، و قد اثبت النبیؐ بعمله ان ذلک لم یکن للانفاذ، فکفّ عن استعماله. هٰذا والعلم عند اللّٰه.

لم اکن لا رسل هٰذه النبذة المختلسة من مضائق الفرصة الٰی

مانگتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر، پس جب وہ اجازت چاہیں اپنے کسی کام کے لیے تو تم ان میں سے جس کسی کو چاہو اجازت دے دو اور ان کے لیے استغفار کرو، بے شک اللہ غفور و رحیم ہے] یعنی تمہاری سمجھ کے مطابق جہاں مصلحت اور خیر کا اقتضا ہو، انہیں اجازت دے دو۔ اسی طرح نبیؐ کے حق میں اس تخییر کا مقصد یہی ہے کہ اس کی بیویاں اس کے علم سے فائدہ اٹھائیں، جیسا کہ مقدمہ[٣] میں ذکر کیا گیا۔ اس فائدے کا ذکر ہم عنقریب تفصیل سے کریں گے۔

ہم نے جو کچھ کہا اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ اس تخییر کے بعد بھی برابر حقوق کا پاس کرتے رہے۔ اگر مقصود اس کا نافذ کرنا ہوتا تو آپ نافذ کر دیتے۔ سو آپ اس سے بری ہیں جو کوئی یہ بدگمانی کرتا ہے کہ یہ تخییر ہوائے نفس کے لیے تھی۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول: [اور جس کو تمہارا جی چاہے......] تو حلال کرنے کا جو ذکر کیا یہ اس کی تصریح ہے، یعنی تمہارا علیحدہ کرنا

احـد، لا نـبی لا آمـن علـی نفسـی الـزلل فی ما استعجل به القول، فی التفسیر له خطر عظیم، ولکنی اذا ارسله الیٰ حضرة الاستاذ، لا اخاف زلاتـی لـکمال اصابة رائه و صحة نـقـده، فیـمیــز السـمین من غثـه، والتین من رثه.(۶)

تمہارے اوپر کچھ حرام نہیں کرتا، اس لیے کہ ہم نے تمہارے لیے تمہاری تمام بیویاں حلال کر دیں۔ اور جو کچھ اللہ نے فیصلہ کیا اس کا ذکر کرنے کے بعد حکم مصلحت بھی واضح کر دی۔ فرمایا: [یہ اس سے بہت قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں] یعنی یہ حکم تمہاری بیویوں پر ظلم نہیں بلکہ اس میں گوناگوں مصالح ہیں۔ [۱] اول یہ کہ ان میں سے جن بیویوں کو چھوڑ دیا تھا ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اس لیے کہ وہ اگر چہ اس پر راضی تھیں کہ تمارہی بیویوں کے زمرے میں رہیں۔ لیکن جب تم نے ان کو بیویوں کے ساتھ ملا دیا جن کو الگ نہیں کیا تھا تو ان کو زیادہ خوشی ملی۔ [۲] دوم یہ کہ اس بیوی کا غم دور ہو جس نے نبی ﷺ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی رضا جوئی کے سوا کسی بات سے سروکار نہ رکھا، لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ ان سب کو برابر کا درجہ دیتے ہیں۔ اور اگر قدرے منہ پھر کر اصلاح کے ارادے سے کسی کو چھوڑنے کی نوبت آئی تو اسے چھوڑ دیتے ہیں، جیسا

کہ اس وقت ہوا جب کہ ان میں سے بعض
کی وجہ سے ان سب کو چھوڑ دیا۔ [۳] سوم
یہ کہ وہ سب کی سب خوش ہوں، اس لیے
کہ جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم بعض کو چھوڑ کر بعض کو جو کچھ دیں
اس میں انہیں کلی اختیار دیا گیا ہے اور اس
کے باوجود وہ کامل مساوات کو ملحوظ رکھتے
ہیں تو اس سے ان کی رضا مندی اور شکر
گزاری میں اضافہ ہوگا۔ پس یہ تمام باتیں
اس تخییر کے فائدوں کی تفصیل ہے اور
اللہ تعالیٰ نے فقط اس کی تشریع میں اس کا
نفع رکھ دیا، پھر یہ اختیار اس کو دیا جس کے
متعلق یہ معلوم تھا کہ وہ اپنا ہی نقصان
کرے گا اور نبی ﷺ نے اپنے عمل سے یہ
ثابت کر دیا کہ یہ حکم نافذ کرنے کے لیے
نہیں تھا، اس لیے اس کے استعمال سے
باز رہے۔ یہ ہے جو میں نے سمجھا اور اصل
علم اللہ کے پاس ہے۔

عدیم الفرصتی کے باعث عجلت میں لکھے
گئے یہ چند اوراق میں کسی کو نہ بھیجتا، اس
لیے کہ جلدی میں جو بات کہی گئی ہو اس
میں خود کو لغزش سے محفوظ نہیں پاتا۔ اس کی

تفسیر میں بڑا خطرہ ہے، لیکن چوں کہ میں
اسے حضرت الاستاذ کو بھیج رہا ہوں، ان کی
اصابت رائے اور صحت نقد کے کمال کی
وجہ سے میں اپنی لغزشوں سے نہیں ڈرتا، وہ
خود کھرے کھوٹے کو پہچان لیں گے۔

[ماخذ: مکاتیب فراہی ص۸۲-۹۶]

تعلیقات وحواشی

(۱) صاحب تفسیر نظام القرآن علامہ حمید الدین فراہی [۱۸۶۳-۱۹۳۰ء] علامہ شبلی کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد تھے۔ اہل علم اور ارباب کمال نے ان کے علم فضل، ورع وتقوی اور شرافت ومتانت کا بڑی بلند آہنگی سے ذکر کیا ہے۔ [تفصیل کے لئے دیکھیں ذکر فراہی] ان سے علامہ شبلی کی مسلسل خط و کتابت رہی۔ مکاتیب شبلی میں ان کے نام ۷۷ر خطوط شامل ہیں۔ [مکاتیب شبلی حصہ دوم ص۱-۴۸]

(۲) اس زمانہ میں مدرسۃ الاصلاح میں کچھ اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ اس کو سلجھانے کے لئے علامہ شبلی سرائے میر گئے تھے۔ مولانا فراہی نے اسی کی تفصیل معلوم کی ہے لیکن مکاتیب شبلی میں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ ان کے بچپن کے دوست اور دارالعلوم دیوبند کی پہلی جماعت کے فاضل مولوی مرزا محمد سلیم [م: ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۳ء] کے نام ایک خط میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ان کو فوراً سرائے میر بلایا ہے۔ [مکتوبات شبلی ص۱۴۸]

(۳) مولانا فراہی کا یہ قصیدہ ان کے دیوان میں شامل ہے۔

(۴) یہ ترجمہ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی مرحوم کے قلم سے ہے۔

(۵) مولانا فراہی کا یہ خط علامہ شبلی کے درج ذیل خط کے جواب میں لکھا گیا ہے:

حملت علی میں تم کو شبہ تھا۔ جاحظ کی عبارت کتاب الحیوان سے نقل کرکے
بھیجتا ہوں۔ صفحہ ۹۱ ان حملنا جمیع من یتکلف قرأة هذا الكتاب ،

على مر الحق و صعوبة الجد و ثقل المئونة و حلية الوقار لم يصبر عليه مع طوله.

شبلی

۲۰ رجنوری ۱۹۱۲ء

[ماخذ: مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۳۲]

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ:

الانتقاد میں ایک جگہ مولانا نے حمل کا صلہ استعمال کیا ہے، مولوی حمید الدین صاحب کو کلام تھا، جاحظ کی عبارت سے مولانا نے استناد کیا ہے۔

[ماخذ: مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۳۲]

(۶) بظاہر یہ ایک مضمون معلوم ہوتا ہے مگر ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کی تحقیق کے مطابق یہ خط ہی ہے۔ [مکاتیب فراہی ص ۹۷]

[۹]

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱)

[۱]

مکرم والا درجت زید فضلکم   تسلیم مع التکریم

بوجہ تشریف آوری حجاج بندہ کو دہلی، میرٹھ، سہارن پور جانا ہوا، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی، آپ نے جو خیال لایق مدرس کی نسبت ظاہر فرمایا نہایت ضروری اور قابل اہتمام ہے، اس کا بندوبست ہونا چاہیے۔

جیسا آپ نے تصاویر کا انسداد فرمایا، اسی طرح دیگر جزئیات کی طرف وقتاً فوقتاً آپ کی توجہ نہایت مفید اور موثر ہوگی۔

ایک مختصر مجمع میں جس میں چند حضرات بیرونی بھی شریک تھے، حالاتِ موجودہ پر کچھ بحث ہوئی دو باتیں قابل اہتمام سمجھی گئیں، اول یہ کہ مرکز بنایا جائے یا نہیں اور بنایا جائے تو کس کو؟ دوسری یہ کہ اس کی صورت کیا ہو، امر اول کو موجودین نے منظور کیا اور بالاتفاق مسئلہ مرکز کو مستحسن کہا، تعیین مرکز کی نسبت جو رائے ہوئی تو بعد گفتگو یہی قرار پایا کہ مدارس اسلامیہ بہ جز دیوبند اور کسی کی ماتحتی نہیں پسند کر سکتے ہیں اور نہ یہ امر مناسب ہے۔

بقیہ حضرات سے استفسار کے بعد جو امر طے ہوگا، اطلاع دوں گا۔ امر دویم یعنی اس سلسلہ کی صورت اور شرائط و قیود کیا ہوں گی، یہ لمبی بحث ہے، جو جملہ اراکین وغیرہ کے بدون اس کا تصفیہ قابل اعتبار ناممکن ہے، بعد مشاورت اگر کوئی امر قابل عمل درآمد طے ہو گیا تو جناب کو اطلاع دی جائے گی، آپ کسی تجویز مفید سے اطلاع فرمائیں تو غالباً اس وقت میں مفید ہوگی۔

مجھ کو یہ بھی خیال ہے کہ آپ کو اور ہم کو یونیورسٹی سے کیا تعلق رکھنا مناسب ہے، غالباً

آپ نے کوئی امر ضرور مقرر فرمالیا ہوگا۔‘‘ والسلام

بندہ محمود حسن

دیوبند۔۱۸؍ربیع الاول ۲۹ھ

[ماخذ: حیات شبلی ص۴۱۲]

تعلیقات وحواشی

(۱) اسیر مالٹا، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ [۱۸۵۱-۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء] ہندوستان کا وہ بطل جلیل جس نے مذہب، ملت اور ملک کی آزادی کے لئے اپنا سب سرمایہ حیات قربان کر دیا، اور آزادی کے لئے اس وقت جدوجہد شروع کی جب کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہیں آیا تھا۔ وہ مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد رشید، بلند پایہ عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین تھے۔ تحریک ریشمی رومال انہیں کے دم سے برپا ہوئی، جس میں علماء کی ایک بڑی جماعت شریک تھی۔ ہندوستان کی تحریک آزادی میں ان کا بڑا نمایاں حصہ ہے۔ عبوری حکومت کے قیام میں بھی ان کا بڑا اہم رول تھا۔ جس کے وزیراعظم راجہ مہندر پرتاب مقرر ہوئے تھے۔ انہی سرگرمیوں کے سبب انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے مالٹا میں قید کیا، جہاں ان کی صحت بہت مجروح ہوئی جو سنبھل نہ سکی اور پھر اسی بیماری میں وفات پائی۔

شیخ الہند کے زہد و ورع، تقوی وتدین، للٰہیت اور اصابت فکر پر مسلمانوں کو بڑا اعتماد تھا۔ وہ علامہ شبلی کے ہم عصر تھے۔ علامہ شبلی کو جب یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کی ذلت ونکبت کے بہت سے اسباب میں ایک یہ بھی ہے کہ ان کے مدارس میں اتفاق واتحاد نہیں، اس لئے ایک ایسا مرکز قایم ہونا چاہئے جو مدارس کو ایک سلسلہ وحدت میں پرودے، چنانچہ علامہ شبلی کی اس اہم کام کی تکمیل کے لئے نگاہ انتخاب حضرت شیخ الہند پر پڑی اور ان کو ایک خط لکھ کر اس کی طرف متوجہ کیا۔ مذکورہ بالا خط حضرت شیخ الہند نے اسی کے جواب میں لکھا ہے۔

سیرۃ النبی پر مسلمانوں کے عام اتفاق کے کئے علامہ شبلی نے حضرت شیخ الہند ہی کے پاس اس کا مسودہ مولانا عبیداللہ سندھی کے ذریعہ بھیجا تھا۔ مگر تحریک وفاق کی طرح اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوا۔

[۱۰]

مولانا خلیل الرحمٰن سہارن پوری (۱)

[۱]

از دفتر ندوۃ العلما، لکھنؤ

۲۰/مارچ ۱۹۱۳ء، ۲۸۱۴/۴۳۵

مخدومی و مکرمی جناب شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی دام لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جلسہ انتظامی ۹/مارچ ۱۹۱۳ء نے یہ طے کیا کہ اس جلسہ کی رائے میں کل کارروائی جلسہ غیر معمولی ۲۸/جنوری ۱۹۱۳ء وکارروائی معتمد صاحب دارالعلوم بہ نسبت معطّلی مولوی عبدالکریم صاحب (۲) خلاف دستور العمل ندوۃ العلما بغیر کسی اختیار کے عمل میں لائی گئی ہے، لہذا کالعدم سمجھی جائے۔

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لکھنؤ نے قبل جلسہ کے منشی احتشام علی صاحب (۳) کو بلا کر اپنی خواہش ظاہر کی تھی کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو بے موقع اشاعت مسئلہ جہاد کی وجہ سے چھ مہینے کے لیے معطل کیا جائے، چنانچہ اس کا اظہار منشی صاحب نے جلسہ میں کیا اور لکھا بھی گیا مگر جلسہ نے اس کی اشاعت کو بہ خیال ناگواری حکام منع کیا اور بہ طور خود تجویز کر کے یہ چاہا کہ اراکین سے مولوی صاحب کی بابت رائے طلب کریں کہ اس اشاعت کی بابت مولوی عبدالکریم صاحب سے کچھ تدارک کیا جائے یا نہیں اور کیا جائے تو کیا؟

جلسہ کے بعد احتیاطاً میں اور منشی محمد احتشام علی صاحب ۱۵/مارچ ۱۹۱۳ء کو ڈپٹی کمشنر

صاحب بہادر سے ملے اوراس بارے میں گفتگو کی تو صاحب نے فرمایا کہ ضرور ہمارا یہ منشا اور خواہش ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کوصرف چھ مہینے کے لیے معطل کیا جائے اور پھر وہ بدستور اپنا کام کریں اور ہماری اس خواہش کا اعلان کر سکتے ہواور مولوی عبدالکریم صاحب کی سچائی کی ہم نے ہز آنر سے سفارش کی ہےاور مقدمہ جوان کےاوپر یہ وجہ نہ لکھنے کے نام مشتہر کنندہ پرچہ کے چل سکتا تھا،نہیں چلایا،مگراس قدر معطلی کا اس اشاعت کی بابت ضرور خیال ہے،اس کے بعد ہم کوان سےاورندوہ سے کچھ شکایت نہیں،وہ اپنا کام کریں۔

چوں کہ جلسہ انتظامی ۹/مارچ کوہو چکا ہے،فوراً دوسرا جلسہ طلب نہیں ہوسکتا اوراس کا التوا جلسہ ثانی تک باعث بدظنی حکام ہوگا اوراحتمال نقصان کا ہے،اس لیے بموجب دفعہ ۲۵ دستور العمل دوبارہ معطّلی مولوی عبدالکریم صاحب تحریری رائے کا خواست گار ہوں کہ اندرایک ہفتہ کے اپنی رائے سے مطلع فرمایئے،تاکہ کثرت تحریر رائے عمل کرسکوں اور صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کوان کی خواہش کے نتیجے کی اطلاع دے سکوں۔

والسلام

خلیل الرحمٰن

نائب ناظم ندوۃ العلماء،بقلم عبدالحیٔ

[ماخذ: حیات شبلی ص۴۹۸]

تعلیقات وحواشی

(۱) مولوی خلیل الرحمٰن سہارن پوری[م:۴/فروری ۱۹۳۶ء] مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے صاحبزادے اور تحریک ندوہ کے ابتدائی دور کے لوگوں میں تھے۔ندوہ کے نائب ناظم پھر ناظم مقرر ہوئے۔یہ علامہ شبلی کے استاذ بھائی بھی تھے۔مگر انہوں نے ندوہ میں علامہ شبلی کی بڑی مخالفت کی۔وجہ یہ تھی کہ یہ نائب ناظم تھے اور خود کو ناظم سمجھتے تھے،اسی زمانہ میں علامہ شبلی نے مولانا سید عبدالحی کوایک خط لکھا جس میں ناظم کی جگہ کو خالی بتایا جوان کوگراں گذرااورانہوں نے شبلی پر الزام تراشی کا ایک سلسلہ شروع

کر دیا،اس کی ابتداانہوں نے وقف علی الاولا دتحریک کی مخالفت سے کی۔ پھر چندعمائدین کی مداخلت سے ان میں صلح ہوگئی۔مگر کچھ دنوں بعد مولوی عبدالکریم صاحب کو جہاد پرایک مضمون لکھنے کی پاداش میں معطل کئے جانے کو لے کر دوبارہ اختلافات ابھر آئے۔[حیات شبلی ص۴۹۳-۴۹۹]

زیرنظر خط میں انہوں نے مولوی عبدالکریم صاحب کی معطّلی کے فیصلہ کو جو اس سے پہلے کے اجلاس میں ہوا تھا کالعدم قرار دیا ہے،اس کے بعد یہ اور منشی احتشام علی انگریز گورنر سے ملے اور اس نے مولوی عبدالکریم صاحب کی کم از کم ۶ / ماہ کی معطّلی ضروری قرار دیا تو ان کو دوبارہ معطل کر دیا اور اس کی تمام ذمہ داری علامہ شبلی کے سر ڈال دی۔

(۲) مولوی عبدالکریم صاحب ضلع ہزارہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ بڑے عالم وفاضل شخص تھے۔ندوہ کے ممتاز اساتذہ میں تھے۔علامہ شبلی نے جب ماہنامہ الندوہ کی ایڈیٹری سے استعفاء دیدیا تو یہ اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور پہلے ہی شمارے میں جہاد پر ایسا مضمون لکھ کر شائع کیا کہ ارباب ندوہ کو انہیں معطل کرنا پڑا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماہنامہ الندوہ پھر سنبھل نہ سکا اور بند ہوگیا۔مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسے دوبارہ جاری کیا مگر اس اشاعت ثانی کو بھی زندگی نہ مل سکی۔

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپریل ۱۹۱۴ء میں لو لگنے سے لکھنو میں وفات پائی۔

(۳) منشی احتشام علی (۱۸۳۹-۱۹۴۳ء) رئیس کاکوری،تحریک ندوہ کے ابتدائی مؤیدین میں سے تھے۔اس کے کاموں میں پیش پیش رہے۔ بڑے نیک، صالح، مخیّر اور فیاض شخص تھے۔مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی[۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ] سے بیعت تھے۔تحریک ندوہ میں اشتراک کے سوا علامہ شبلی سے کسی تعلق کا ذکر نہیں ملتا۔

[۱۱]

علامہ اقبال (۱)

[۱]

لاہور

۱۲؍جنوری ۱۹۱۲ء

مخدوم ومکرم جناب قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ انجمن (۲) کا جلسہ ایسٹر کی تعطیلوں میں ہوگا، اگر وہاں کی شمولیت کے بعد میں لکھنؤ حاضر ہوسکا تو ضرور حاضر خدمت ہوں گا۔

افسوس کہ ڈیپوٹیشن (۳) میں شریک ہونے سے قاصر ہوں۔ اگر آپ کا ارشاد ہو تو چودھری شہاب الدین صاحب بی.اے. (۴) وکیل چیف کورٹ سے دریافت کروں، وہ نہایت قابل آدمی ہیں اور اس کام کے لیے اہل۔ اگر یہ پسند نہ ہو تو نواب ذوالفقار علی خاں (۵) اس وقت کلکتہ میں ہیں، آپ ان کو پنجاب کی طرف سے انتخاب کریں اور ان کو لکھ دیں کہ وہ ۲۹؍جنوری تک کلکتہ میں ہی ٹھہریں۔ مسٹر محمد شفیع بیرسٹر لاہور (۶) ابھی اس وقت کلکتہ میں ہیں۔ غالباً وہ بھی آپ کے لکھنے پر ۲۹؍جنوری تک وہاں قیام کرسکیں جو تجویز پسند خاطر ہو اس کو عمل میں لایئے باقی خیریت ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

[ماخذ: کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول ص ۲۳۹]

تعلیقات وحواشی

(۱) علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال [۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء] کے شبلی سے گہرے مراسم تھے۔اقبال نے ان کی تصنیفات سے استفادہ کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ علامہ شبلی کے فضل وکمال کے بڑے معترف اوران کی تصنیفات بالخصوص شعرالعجم اور سیرۃ النبی وغیرہ کے بڑے قدرداں تھے۔ان کی خواہش تھی کہ علامہ شبلی پنجاب میں قیام کریں۔ [مشاہیر کے خطوط ص۹۶]

علامہ اقبال نے اپنی پہلی تصنیف علم الاقتصاد(مطبوعہ:۱۹۰۱ء) کے بعض حصوں کی زبان و بیان کی تصحیح واصلاح علامہ شبلی سے کرائی تھی۔ [دیباچہ علم الاقتصاد ص۳]

۱۹۱۱ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جواجلاس دہلی میں منعقد ہوا تھااس میں علامہ شبلی نے اپنے شاگرد سید سجاد حیدر یلدرم (م:۱۹۴۳ء) کی خواہش پر شرکت کی۔اسی اجلاس میں علامہ اقبال کو 'ترجمان حقیقت' کا خطاب دیا گیا۔اس موقع پر علامہ شبلی نے کانفرنس کی طرف سے علامہ اقبال کو پھولوں کا ہار پہنایا اوران کے بڑے شاعر ہونے کی پیشین گوئی کی۔جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی۔

(۲) انجمن حمایت اسلام لاہور

(۳) وقف علی الاولاد کمیٹی کی طرف سے جس کے روح رواں علامہ شبلی تھے،وائسرائے کی خدمت میں ایک وفد [غالباً ۲۹/جنوری ۱۹۱۲ء کو] جانا طے ہوا تھا۔علامہ شبلی نے اس کی رکنیت کے لئے علامہ اقبال کا نام تجویز کیا تھااوراسی سلسلے میں ان کو خط لکھا تھا،علامہ اقبال نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا ہے۔

(۴) چودھری شہاب الدین بی،اے [۱۸۶۸-۱۹۴۹ء] یہ اپنے عہد کے لاہور کے سر برآوردہ اشخاص میں تھے۔۱۹۰۴ء میں کریمنل لا جرنل انہیں نے جاری کیا تھا،جس نے بڑی شہرت پائی۔ایک عرصہ تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔حکومت برطانیہ نے سر کے خطاب سے نوازا تھا۔یہ پنجابی زبان کے اچھے شاعراور مترجم بھی تھے۔مسدس حالی[مدوجزر اسلام] کا انہی نے پنجابی میں ترجمہ کیا ہے۔

(۵) نواب ذوالفقار علی خاں: یہ ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم اور مالیر کوٹلہ کے حکمراں خانوادے کے فرد تھے۔امپیریل کونسل اورمرکزی کونسل کے رکن رہے۔ان کے قلم سے دو کتابیں بھی نکلیں۔رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ کے مدیر کی حیثیت سے بڑی عزت حاصل کی۔علامہ اقبال نے عدیم الفرصتی کی وجہ سے

وفد وقف علی الاولاد میں اپنی جگہ ان کا نام پیش کیا تھا۔

(۶) سر محمد شفیع بیرسٹر [۱۸۶۹-۱۹۳۲ء] لاہور کے ایک بڑے جاگیردار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔۱۸۹۲ء میں لندن سے بیرسٹری پاس کیا تھا۔امپیریل لجسلیٹیو کونسل اور پنجاب لجسلیٹیو کونسل کے رکن رہے۔کونسل آف امپائر میں ہندوستان کو شریک کار کا درجہ انہی کوششوں سے ملا تھا۔علی گڑھ تحریک اور اردو کے بڑے پرزور حامی تھے۔علامہ شبلی کے کئی خطوط میں ان کا ذکر ہے۔وفد وقف علی الاولاد میں پنجاب کی طرف سے ان کا نام بھی علامہ اقبال نے پیش کیا تھا۔

[۱۲]

مولانا ابوالکلام آزاد(۱)

[۱]

یا مولی الجلیل!

تعلیقۂ مبارک پہنچا، پچھلے کارڈ میں آپ نے لکھا تھا کہ ''غضب ہے کہ تم ضروری باتوں کا بھی جواب نہیں دیتے۔'' سوچ رہا ہوں کہ آپ کے خط میں غیر ضروری بات کون سی ہوتی ہے۔؟

کتابیں خط کے ساتھ رجسٹرڈ روانہ کی گئیں لیکن کبھی کبھی ڈیلوری میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

ہاں البتہ اگر کتاب الوفاء باخبار المصطفیٰ کا نسخہ ہاتھ آیا ہے تو نہایت نایاب ہے۔ شیخ عبدالحق محدث کو بھی غالباً نہیں ملا کیونکہ جلاء القلوب میں صرف خلاصۃ الوفاء کا خلاصہ و ترجمہ ہے۔

دیوان صائب سے کیا وہ نسخہ مقصود ہے جو امپریل لائبریری (۲) میں بخط مصنف موجود ہے۔ اس کا عکس جب چاہیں لے سکتے ہیں، کیونکہ لائبریرین ہری ناتھ دے (۳) سے شناسائی ہے۔

اول تو میں اب کلکتہ سے کہاں نکلتا ہوں لیکن نمایش الہ آباد کا ضعیف سا خیال ہے مگر مسئلہ قیام پیش نظر، الہ آباد میں میری کسی سے ایسی ملاقات نہیں کہ اپنا بوجھ ڈالوں۔ ایک دو بار مسٹر اسحاق (۴) کے ہاں ٹھہرا مگر برسم طفیلی کہ جب آپ کہیں ٹھہریں گے تو آپ کے خدام و وابستگان بھی لامحالہ، میں بھی ایک جا کر گستاخ تھا کہ ٹھہر گیا۔

علاوہ بریں وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ **من کل فجٍ عمیق**. زائرین نمایش کا ہجوم اور ہر الہ آبادی کا گھر مہمان سرا، پس آج چاہتا ہوں کہ سپرنٹنڈنٹ سے خط و کتابت کر کے باجرت قیام کا بندوبست کرلوں کیونکہ خیموں میں فی کس ۱؍ سے روزانہ لے کر انتظام کیا گیا ہے۔

شہاب ثاقب کو پہلے اچھی طرح نہیں سمجھا تھا، کیونکہ اس نص مبہم و متشابہ کی کئی تاویلیں ہوسکتی تھیں، مجبوراً مذہبِ اربابِ ظواہر و محدثین اختیار کیا تھا یا مذہبِ سلف، **کیفیتہ مجھول والسوال عنہ بدعۃ** کہ استواء علی العرش پر بالفاظہ ایمان لانا چاہئے۔ **لایعلم تاویلہ الا الرّاسخون فی العلم** اور رسوخ فی العلم سے بے بہرہ البتہ اتنی تسکین تھی کہ **الا من ارتضی من رسول** بھی کہیں کہیں آیا ہے، اب پرسش مزید سے درجہ متکلمین اشعریہ حاصل ہوا کہ تاویل کی جرأت ہوئی مگر متمنی درجۂ اربابِ کشف جہاں حقائق اصلیہ بصورت حقیقی منکشف ہوجاتے ہیں۔

.... (۵) کا اس کارروائی سے ایک مقصد تو ان جملوں کا انتقام ہے جو ان کی تلون مزاجی، ضمیر فروشی کی نسبت ہمیشہ آپ کی زبان سے نکلے، پھر یہ بھی کہ ان لوگوں کے عقیدے میں اپنے قد کی پستی اس وقت تک مبدل بہ بلندی نہیں ہوسکتی، جب تک دوسروں کے قد کو پست ثابت نہ کیا جائے۔ میں تو کسی اردو اخبار کو خریدتا نہیں مفت آیا کرتے تھے، سو وہ بھی اب بند، اتفاقاً مرزا صاحب نے دلگداز دکھایا تو پہلا مضمون نظر سے گذرا تاہم آپ اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہیں کہ ایسے لوگوں کے منہ لگیں، **فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللہ مرضا**.

دیوان شرف جہاں ویلو بھجوا دیجئے۔

کنز العلوم کے لئے آج لکھ دیتا ہوں۔

کاش آپ سے ملاقات ہوتی تو بہت باتیں کرتا، میری قلبی حالت عجیب و غریب ہو رہی ہے، لیکن افسوس کہ بظاہر حالات جلد شرف یاب زیارت ہونے کی امید نہیں۔

کیف الوصول الی سعاد و دونھا

قلل الجبال و دونھن خیوف

اکتوبر میں رنگون ہی چلئے، والد کے عقیدتمند وہاں کم نہیں۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

۱۳۔مکلا روڈ اسٹریٹ کلکتہ

۱۶/۱۰/۱۹۰۹ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف دسمبر ۱۹۵۳ء ص ۴۵۵-۴۵۷]

---

[۲]

یا مولی الجلیل!

گو رابعہ بصریہ کے جلالۃ مرتبت کا سید الطائفہ تک کو اقرار اور آپ تو اپنے ظہور اول میں یہاں تک معترف کہ خدایا ایں چہ بوالعجبی ست کہ مردانِ عالم را از اں محروم می کنی کہ نصیب ایں پیر زنست، لیکن تاہم **للذکر مثل حظّ الانثیین** اور سردست تو آپ کو اس آیت کے دقائق حل کرنے ہیں کہ:

" **الرّجال قوامون علی النساء.** [سورہ نساء، آیت نمبر ۳۴]

ماسٹر دین محمد (۶) نہایت وحشت انگیز خبر لائے ہیں۔ واردات مسرت و نشاط میں شریک نہ تھا مگر اجازت دیجئے کہ ماتم میں بقدر استعداد دست و سینہ حصہ لوں، لایحب الافلین سرائی تو مخصوص بامثال ابراہیم ہے مگر میرے عقیدے میں آپ امت مرحومہ کی اس جماعتِ ابدال سے کسی طرح کم نہیں، جن میں سے ہر فرد چالیس درجہ ابراہیم خلیل اللہ سے مرتبہ میں زائد الطفیل فیضان درجہ محبوبیت محمدیہ کما ورد فی الحدیث (۷)، پس کم از کم آپ کو زبان حال سے **انّی وجّھتُ وَجُھی للّذی فطر السمٰوات والارض حنیفا.** [میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا یکسو ہو کر۔ سورہ انعام، آیت نمبر ۷۹] ضرور کہنا چاہئے اور نیز **ما انا من المشرکین** [اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، ایضاً] جو نفوس قدسیہ عطیہ توحید سے فیضیاب ہوں۔ انہیں کیا ضرور کہ آلودۂ شرک ہوں، یہ تو ہم ایسے بت پرستوں کے لئے رہنے

دیجئے۔

اس زمانے کی خیرہ مذاقی دیکھئے کہ دیوان فیضی کا اولین مستحق تو کتب خانہ ندوہ تھا کہ ان چیزوں کا موجودہ عہد میں آپ کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ گورنمنٹ لائبریری الہ آباد میں اس کے وقائع ومحاسن کو سمجھنے والا کون ہے اور یوں ورق گردانی اور عنوان ہائے جلی کو نافہمانہ دیکھ لینا دوسری بات ہے، الہ آباد کی نمایش بازارِ مصر سے تو کسی طرح فائق نہیں لیکن جب اس کی نسبت اردو کے ملک التجار نے صاف کہہ دیا کہ: ع

خواہاں نہیں کوئی واں جنس گراں کا

تو پھر نمایش کے خریداروں کی حقیقت معلوم، البتہ اس واژوں روشنی کی حمایت میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مقصود بیع وشرا نہیں بلکہ صرف نمایش، لیکن شاید جناب کو اس پر بھی اعتراض ہو۔

بار بار چاہا کہ اپنی سرگذشت عرض کروں لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک دفتر بے کنار اور پھر اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں، باب نہیں، حیران ہوں کہ کہاں سے عرض کروں اور کس قدر ایک قصہ ہوتا تو سنا دیتا۔ میری داستان تو ایک مجموعۂ قصص ہے، اپنی کن کن مصیبتوں کو عرض کروں۔

بکشت ما گذار لشکر افتاد

مونسِ قدیم بخار کی صحبت شبانہ روزی نے عدیم الفرصت کر دیا ہے۔ چند دنوں کے لئے یہ کہیں تشریف لے گئے تو اپنے سلسلۂ قصص کا کوئی تازہ افسانہ بالاختصار عرض کروں گا۔ ع

زاں جملہ یکے قصہ محمود وایاز است

کنز العلوم کے لئے شیخ محمد (۸) کو کہہ دیا تھا، تعجب ہے کہ نہیں بھیجا۔ آج ان کو پھر لکھتا ہوں بایں مضمون کہ اگر آپ کے لئے وقت واشکال ہو تو مجھے بھیج دیجئے گا، میں خود بھیج دوں گا۔

دواوین وتذکروں کا خیال رکھئے جب کوئی عمدہ نسخہ ہاتھ آئے، تو مجھے یاد کر لیجئے، چاہتا ہوں کہ قدماء ومتوسطین کے تمام دواوین جمع کر لوں، نیز تذکرے، ورنہ مطالعہ کے لئے تو سوسائٹی (۹) میں کافی ہیں۔

جناب کی نئی غزلیں شائع ہوئی ہیں صرف خبر سنی۔ آج کل کوئی پرچہ نہیں منگواتا۔

مولانا ہدایت حسین [مولانا ان کا لقب کالعلم ہے،] (۱۰) لکھنؤ جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مولوی سید عبدالحی صاحب (۱۱) کا تذکرہ علمائے ہند زیر تصنیف (۱۲) دیکھیں کیونکہ اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے لئے لکھنا چاہتے ہیں، آپ سے ملیں گے۔ مولوی صاحب سے کہہ دیجئے کہ دکھلانے میں بخل نہ کریں۔

ابوالکلام

۱۳۔ مکلاوڈ اسٹریٹ کلکتہ،

۱۹۱۰/۱۰/۲۰ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف دسمبر ۱۹۵۳ء ص ۴۵۵-۴۵۷]

---

[۳]

خواہی کہ بتو بیش شود شوق نظیری
از پیش خودش گاہ برآں گاہ نظر دار

آقائے من!

آج پرانے کاغذات میں لفافے ڈھونڈھ رہا تھا، آپ کے چند خطوط اور کارڈ نکل آئے۔ میں پھر ایک مرتبہ اسی تمنازار میں پہنچ گیا، جہاں کسی کی نگہ ارادت نواز مایۂ حیات تھی۔ والد کے انتقال کو آج دسواں روز ہے، اخبارات میں بھی تذکرہ آچکا ہے مگر آپ نے تعزیت کی ایک سطر بھی نہیں لکھی۔

دل ارادت وعقیدت سے اسی طرح لبریز ہے جیسا کہ پہلے تھا اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔

از طورِ صلح و عربدہ بیگانہ ام ہنوز
بر آتشے نتا ختہ پروانہ ام ہنوز

معلوم نہیں آپ کہاں ہیں؟ حافظ عبدالرحمٰن (۱۳) راوی تھے کہ عرصہ تک آنے کی امید نہیں، بہرکیف میں تو چہلم کے بعد بمبئی پہنچتا ہوں اور وہاں سے جہاں آپ ہوں۔

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضع داریاں
جوں جوں رکے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

ابوالکلام

۴۳/میڈل روڈ، انٹالی، کلکتہ

۲۶/اگست ۱۹۰۸ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف اگست ۱۹۷۶ء ص ۱۴۱-۱۴۲]

---

[۴]

حضرت مولانا شبلی نعمانی مدفیوضہم

حضت!

میری مصلحت دید تو یہ ہے کہ کہیں نہ جائیے۔ لکھنؤ میں رہئے۔ حج کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو للعوام کہ بتلاش کعبہ بحر و بر ہا طے می کنند اور دوسرا حج خواص کہ جب ضرورت ہوتی ہے کعبہ کو طلب کر لیتے ہیں۔ ابراہیم بن ادہم ہر ہر قدم دو رکعت نماز کرد، چوں قریب کعبہ امید نہ یافت، ندائے غیبی بگوش رسید کہ برائے استقبال رابعہ بصریہ رفت۔ آپ کا درجہ اس سے بلند ہے کہ کعبہ کی تلاش میں دشت پیمائی کریں۔ ہاں اجرامِ سماوی کا مطالعہ اور **تفکر فی خلق السّمٰوات وَالارض** تو گو لکھنؤ میں بیت المقدس جیسی کوئی ٹیلیسکوپ اور دور بین نہیں، اس لئے اجرامِ بعیدہ کا مطالعہ بے عذر، لیکن تاہم اگر علم ہیئت کے ابتدائی مراتب کی تحقیق منظور ہو تو شہابِ ثاقب کے اجزاء کی تفرید و تحلیل کیجئے، ایسا نہ ہو کہ بابِ حرم سے عراقی کی طرح سننا پڑے۔

توبروں درچہ کردی کہ

ابوالکلام

مکلو اڈا سٹریٹ کلکتہ

۱۱/اکتوبر ۱۹۱۰ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف اگست ۱۹۷۶ء ص ۱۴۲-۱۴۳]

تعلیقات و حواشی

(۱) امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد [۱۸۸۸-۱۹۵۸ء] جیسے اشخاص مدتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ علامہ شبلی سے ان کے انتہائی گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے والد کے بعد سب سے زیادہ جسے عزیز رکھا اور جس کی تکریم کی وہ علامہ شبلی کی ذات گرامی ہے۔ ہندوستان کی سیاسیات میں علامہ شبلی پہلے شخص ہیں جنہوں نے تعصب اور تنگ نظری کے خلاف آواز بلند کی۔ ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور کانگریس کی حمایت کی۔ یہی کام مدۃ العمر مولانا آزاد نے بھی کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کو سب سے بلند آہنگ طریقہ سے علامہ شبلی نے اپنے مضمون مسلمانوں کی پولٹیکل کروٹ میں پیش کیا تھا۔ مولانا آزاد نے ۱۵/سال کی عمر میں جب لسان الصدق جاری کیا تو علامہ شبلی نے اس کی سرپرستی کی۔ وہ ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی کی خواہش پر ندوہ لکھنوآئے اور علامہ شبلی کے ساتھ قیام کیا۔ ماہنامہ الندوہ کی ادارت سنبھالی۔ اصلاً یہیں خود آزاد کی زندگی میں انقلاب آیا، مولانا شبلی کے اثرات ان پر آخر تک قائم رہے۔ ۲۲/فروری ۱۹۵۸ء کو ہندوستان کا یہ درخشاں ستارہ غروب ہوا۔

(۲) کلکتہ کی مشہور لائبریری

(۳) ہری ناتھ دے [۱۸۷۷-۱۹۱۱ء] مورخ تھے۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۱ء تک نیشنل لائبریری آف انڈیا کلکتہ کے لائبریرین رہے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے بھی وابستہ رہے۔

(۴) مسٹر محمد اسحاق وکیل ہائی کورٹ الہ آباد: علامہ شبلی کے منجھلے بھائی، علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۲/اگست ۱۹۱۳ء کو چند دنوں کی بیماری میں انتقال کیا، علامہ شبلی انہیں اپنا دست و بازو خیال کرتے تھے۔ ان کی وفات سے انہیں سخت صدمہ پہنچا۔ ان کا شبلی نے بڑا دلدوز مرثیہ لکھا ہے جو ان کے کلیات میں شامل ہے۔ اسحاق صاحب کے ایک عزیز دوست مولوی محبوب الرحمٰن کلیم جیراج پوری [۱۸۶۸-۱۹۲۵ء]

نے بھی ان کا ایک مرثیہ لکھا تھا۔

(۵) غالباً مدیر معارف نے یہ عبارت حذف کر دی ہے۔

(۶) ماسٹر دین محمد: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۷) یہ مزاحیہ اشارہ کسی متصوفانہ اور موضوع روایت کی جانب ہے۔ابوسلمان شاہجہاں پوری

(۸) شیخ محمد: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۹) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

(۱۰) شمس العلماء، خان بہادر مولانا ہدایت حسین [۱۸۸۷-۱۹۴۳ء] کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ پریسیڈنٹی کالج کلکتہ میں پروفیسر اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کہ پرنسپل رہے۔انہوں نے کئی کتابیں ایڈٹ کیں جنہیں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے شائع کیا۔

(۱۱) مولانا سید عبدالحی حسنی [م:۲رفروری ۱۹۲۳ء] عالم ومصنف، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے والد گرامی۔

(۱۲) نزہۃ الخواطر: ہندوستان کے علماء وفضلاء کا مشہور تذکرہ، مولفہ مولوی سید عبدالحی حسنی جو علامہ شبلی کے مشورہ سے لکھا گیا۔ [ماہنامہ معارف مئی ۲۰۰۸ء ص ۳۴۲]

(۱۳) حافظ عبدالرحمٰن: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

[۱۳]

جگر بسوانی (۱)

[۱]

جگر پناہا!

تسلیم بصد ادب قبول باد!

اپنے خادم کو گرفتار مصیبت چھوڑ کر آپ لکھنؤ میں براج رہے ہیں۔ کیا آپ سے عرض کروں، جب سے آپ تشریف لے گئے ہیں ایک ایک منٹ ہزار ہزار غم کا باعث ہوا۔ آپ کے دوستوں نے زندگی دشوار کر دی۔ نہ جیتے ہیں نہ مرتے۔ خدا جانے قسمت میں کیا لکھا ہے:

بڑھ رہا ہے وصل کی حسرت کا غم مر جائیں گے
آرزو ان کی سلامت ہے تو ہم مر جائیں گے

مولائے جگر!

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں ایک دن مولانا آزاد صاحب کے دولت کدے پر گیا تھا۔ وہ نہیں ملے اس کے بعد وہ تشریف لے گئے۔ میں نے بعض وجوہ سے بذریعہ تحریر ان سے مدد طلب نہیں کی۔ براہ نوازش دو دن کے لئے یہاں فوراً تشریف لایئے ورنہ جگر کی جان کی خیر نہیں۔ تین مصرعے اسی وقت خیال میں آ گئے ہیں ضرور سن لیجئے:

خیال زلف میں رہتی ہے جسم تک الجھن
ہر ایک رات جدائی کی ہے شب مدفن

کہے یہ کون عطیہ سے جان کی دشمن
تو دستگیر شَو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمر ہاں سوارانند

اگر فرائض منصبی سے چھٹکارا نہ ہوتو کم از کم اپنے جگر پر اتنا احسان تو ضرور فرمائیے کہ بذریعہ تحریر آپ عطیہ کو میرے لئے ایک سفارش نامہ لکھیں اور اس میں یہ لکھ دیں کہ آپ کا خادم ایک گوشہ نشین شخص ہے۔ آپ اس کی گوشہ نشینی میں مخل نہ ہوں اور وہ آپ کی آزادی کو خواب میں بھی برا نہ سمجھے گا۔ آپ کا خادم آپ کے سے مقدس عالم کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگا کر اقرار کرتا ہے کہ مدت العمر عطیہ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ آپ کی اور آپ کے خاندان کی تعظیم کرے گا۔ ذاتیات میں کبھی ان سے مدد طلب نہ ہوگا۔ ذاتیات کی کوئی بات ان کے کانوں تک نہ پہنچے گی۔ وطن جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ بعد تکمیل خود ہمیں بھی بود و باش کے لئے فوراً کوئی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ وہ تصویر جو انڈین لیڈیز میگزین میں چند سال پیش تر چھپی ہے، اس صاحبِ تصویر کی تصویر کی طرح پرستش کروں گا۔

جگر بسوانی

[ماخذ: جگر بسوانی حیات اور کارنامے ص۸۲-۸۳]

تعلیقات و حواشی

(۱) جگر بسوانی [۱۸۷۱-۱۹۵۸ء] اردو کے مشہور شاعر تھے۔ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے تھے۔ ان کے خطوط سے معلوم ہوا کہ یہ شبلی کے احباب میں تھے۔ انہیں عطیہ فیضی سے یک طرفہ عشق ہوگیا تھا۔ اس کا وہ برملا اظہار بھی اپنے احباب سے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عطیہ فیضی سے بھی اس کا صاف صاف ذکر کیا اور انہیں متعدد خطوط لکھے جس میں نکاح کرنے کی خواہش اور کسی وعدہ خلافی کا ذکر ہے۔ اس کے لئے وہ عطیہ کی تاحیات غلامی کے لئے بھی تیار تھے۔ لیکن عطیہ فیضی نے ان کے کسی خط کا جواب نہیں دیا، اس کے لئے انہوں نے علامہ شبلی سے شکایت کی اور ان سے سفارش بھی کرائی کہ وہ ان کو راضی

کریں۔ وہ کم از کم ایک بار علامہ شبلی کے ساتھ عطیہ فیضی سے ملنے بھی گئے۔

[جگر بسوانی حیات اور کارنامے۔ ص ۳۴۰]

عطیہ فیضی کی شخصیت بھی کیسی پر کشش تھی کہ ہندوستان کے متعدد ممتاز اشخاص ان کے گرویدہ رہے جس میں شبلی کے ساتھ اقبال، شیخ عبدالقادر اور ابوالکلام کا نام بھی آتا ہے، لیکن ان کے ان مشہور شیدائیوں میں جگر بسوانی کا کہیں ذکر نہیں ملتا، حالاں کہ عطیہ کا ان جیسا کوئی اور عاشق زار نہیں تھا۔

---

[۱۴]

خواجہ کمال الدین (۱)

[۱]

مکرمی مولانا!　　　السلام علیکم

اگر چھ ہزار کوس دور بیٹھے ہوئے کسی بات نے مجھے بچوں کی طرح رُلایا تو آپ کے طبع زادِ جدید کے اس مصرع نے ع

چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

کیا حقیقت اور صداقت ہے اور کیسا یاس افزا منظر سامنے آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ رحم کرے......"

کمال الدین

[ماخذ: حیات شبلی ص ۴۵۹]

تعلیقات و حواشی

(۱)　خواجہ کمال الدین [۱۸۷۰-۱۹۶۵ء] انگریزی اہل قلم، یورپ میں داعی اسلام، احمدیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کرسچین کالج لاہور سے بی.اے. اور لا کالج سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں انگلینڈ گئے اور وہاں ۱۹۱۳ء میں ووکنگ مشن قائم کیا۔ مشہور انگریزی رسالہ اسلامک ریویو انہیں نے جاری کیا تھا۔ انہوں نے انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں۔ وہ جس زمانہ میں لندن میں تھے۔ علامہ شبلی سے خط و کتابت کی اور ان کی بعض کتابیں منگوائیں۔ سانحہ مسجد کان پور سے متعلق علامہ شبلی کی نظمیں بے حد مشہور ہوئی تھیں۔ خواجہ کمال الدین نے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں ان کو پڑھ کر رو پڑا۔

[۱۵]

محمد امین زبیری (۱)

[۱]

مولانائے مکرم! تسلیم

میرے پاس تو ایک جز بھی ہنوز نہیں پہنچا۔ (۲) ممکن ہے کہ آپ کے توسط پہنچے ہوں، لہٰذا تلاش فرمائیں میں نے مولانا آزاد کو بھی خط لکھا ہے۔ میں سخت متردد ہو گیا ہوں۔ کتب خانہ (۳) بننے کی مبارک باد، خداوند کریم آپ کی کوششوں میں برکت دے۔

آپ کا خادم

محمد امین

بھوپال، شاہ جہاں آباد

۱۲/جون ۱۹۱۰ء

[ماخذ: خطوط شبلی بنام آزاد ص ۶۲]

تعلیقات و حواشی

(۱) محمد امین زبیری [۱۸۷۰ء-۱۹۵۸ء] نینی تال میں پیدا ہوئے رامپور میں تعلیم حاصل کی۔ ریاست بھوپال میں صیغہ تاریخ کے مہتمم اور ریاست کے سرکاری رسالہ ماہنامہ ظل السلطان بھوپال کے مدیر کی حیثیت سے برسوں کام کیا۔ یہ تقریباً ۲۴ رسال ریاست بھوپال سے وابستہ رہے۔ انہوں نے دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ایک رسالہ سفیر بھی جاری کیا تھا۔ ریاست بھوپال کے خاتمہ کے بعد

پاکستان چلے گئے اور وہیں ۵ر ستمبر ۱۹۵۸ء کو کراچی میں انتقال کیا۔

زبیری صاحب علامہ شبلی کے بڑے قدرداں تھے۔ سیرۃ النبی کی تالیف کے لئے ریاست بھوپال سے شبلی کو جو وظیفہ ملا تھا اس کے ملنے میں ان کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔ مگر علامہ شبلی کی وفات کے بعد ان کے تئیں زبیری صاحب کا رویہ اچھا نہیں رہا اور انہوں نے ''شبلی کی رنگین زندگی'' نامی کتابچہ لکھ کر شائع کیا۔ پھر حیات شبلی شائع ہوئی تو اس کے خلاف ایک طویل تبصرہ ذکر شبلی کے نام سے لکھا جس میں شبلی پر بڑی سخت تنقیدیں کیں۔ شبلی کے عطیہ فیضی کے نام کے خطوط انہیں نے شائع کئے تھے جس پر مولوی عبدالحق نے مقدمہ لکھا تھا اور جس میں انہوں نے شبلی کی شبیہ بالقصد خراب کی تھی۔

(۲) غالباً کسی کتاب کی طباعت کا ذکر ہے۔ تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۳) کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنو، جس کا آغاز علامہ شبلی نے اپنی کتابوں سے کیا، تھا بعد ازاں ان کی کوششوں سے نواب سید علی حسن خاں نے اپنا کتب خانہ وقف کیا، بعض دیگر ذرائع سے بھی کتابیں حاصل کیں۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے دور نظامت میں اس کا نام کتب خانہ شبلی رکھا۔

[۱۶]

عمادالملک سید حسین بلگرامی (۱)

[۱]

بلگرامی ہاؤس حیدرآباد دکن

۱۸/اپریل ۱۹۱۰ء

مخدومی ومکرمی!

آپ کا مرحمت نامہ مورخہ ۱۲/اپریل پہنچا، میرے نزدیک آپ وہ پانچ ہزار روپیہ جمع رکھئے تو بہتر ہے کیونکہ ترجمہ کے ختم ہونے پر اس کے طبع کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی۔

ایک الگ کتاب بطور مقدمہ کے لکھی جائے تو نہایت مناسب ہوگی۔مگر لکھے گا کون، میں کبھی اس قسم کی جرأت نہیں کرسکتا۔ مجھے گالیاں سننا، تکفیر کے فتوے اپنے نام پر مسجل کرانا منظور نہیں ہے۔آج کل کی تحقیقات کے موافق جوکوئی اعتراضات معترضین کا جواب دے گا، وہ آپ کے علماء کے نزدیک اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

مفضلیات کی قیمت کیا قرار پائے گی، ابھی معلوم نہیں ہے، قلیل عرصہ میں معلوم ہوجائے گا۔

شعرالعجم کا دوسرا حصہ پہنچا، ابھی میں نے پڑھا نہیں ہے۔سرسری ایک نظر دیکھ لیا ہے، ترتیب تو بہت عمدہ ہے، میں انشاءاللہ اس کو بالاستیعاب مطالعہ کروں گا۔

آریا سماج کی دندان شکنی کے لیے آپ لوگ کیا تدبیر کر رہے ہیں، اس کی سخت ضرورت ہے۔(۲)

میں عنقریب تہران جانے والا ہوں اور وہاں سے مہابلیشور، مگر خط و کتابت کا سلسلہ

حسب معمول حیدرآباد ہی سے جاری رہے گا۔ میرا صحیح پتہ اس کاغذ کے عنوان پر چھپا ہوا ہے۔

سید حسین بلگرامی

(پ ن) اگر کہیں عبید اور عامر بن طفیل کا کلام دستیاب ہو تو مجھے مطلع فرمائیے۔ ایک دوست ولایت میں ان دونوں شعراء جاہلیہ کا کلام چھاپنا چاہتے ہیں مگر نسخے ان کے پاس پر از اغلاط ہیں۔ خصائص ابن جنی کا نسخہ کہیں ملے تو یہاں میں چھپوا دوں، یہاں ایک نسخہ ہے مگر نہایت غلط۔

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۴۸-۱۴۹]

---

[۲]

بلگرامی ہاؤس، حیدرآباد دکن

۲۲/جون ۱۹۱۰ء

مخدومی و مکرمی!

میں اس وقت سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کے ترجمہ پر نظر ثانی کر رہا ہوں، بعد نظر ثانی انشاءاللہ آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا۔

میں دیکھتا ہوں کہ بار بار نظر ڈالنے کی ضرورت ہے، نظر ثانی نہیں بلکہ نظر عاشر بھی ہو تو بعض مقامات پر اطمینان نہیں ہوتا۔ دو مقام کا جو بظاہر نہایت آسان معلوم ہوتے ہیں بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں۔ سورۂ فاتحہ میں **غیر المغضوب علیهم ولا الضالّین** کا ترجمہ دو طرح سے ہوسکتا ہے۔ علیٰ ہذا۔ سورۂ بقرہ کی اول آیۃ کا ترجمہ دو طرح سے ہوسکتا ہے، **هذا** کو مبتدا اور **الكتاب** کو خبر مانیں تو ایک طور سے ترجمہ ہوگا۔ اور اگر **هذا الكتاب** کو مبتدا خیال کریں تو ترجمہ بدل جائے گا۔ اسی قسم کے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر تو ایسے ہیں جن میں خود مفسرین میں اختلاف ہے۔ ایسی صورتوں میں کس کی ہدایت کی متابعت کی جائے۔ میرا خط آپ کو پہنچ گیا ہوگا۔

تراجم سے مجھ کو زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر ہومر کے حواشی اگر عمدہ ہیں تو البتہ دیکھنے کے لائق ہوں گے۔ میں کہیں سے پتہ کر کے دیکھ لوں گا۔

مجھ کو ایک بڑی دقت یہ درپیش ہے کہ میرا کوئی مددگار نہیں اور نہ کاتب کوئی اچھا دستیاب ہوتا ہے۔ بہتر تو یہ ہوگا کہ ترجمہ صاف ہونے کے بعد ٹائپ کرلیا جائے تا کہ چھاپنے میں آسانی ہو مگر ٹائپ کرنے والا اور ترجمہ کے وقت مدد دینے والا نہیں ملتا اور ملا بھی تو معتد بہ اجرت سے ملے گا۔ سرکار سے کسی قسم کے مدد کی امید نہیں ہے۔

بہرحال کام چل رہا ہے، گو سرعت سے نہیں کم از کم دو سال کا کام ہے۔

ذرا خیال رکھیے، کہیں ذوالرمہ (۳) کا دیوان مل جائے تو خرید سے ہو یا بطور عاریت ضرور دلوا دیجئے۔ انگلستان میں ایک صاحب چھاپنے کے لیے تصحیح کر رہے ہیں، ان کو بڑی مدد ملے گی۔

افسوس ہے کہ ہم اپاہج لوگوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے کرنے کا کام غیر قوم کے لوگ کر رہے ہیں۔

تصحیح اور تحشیے کرنا اور طبع کرانا تو مشکل کا کام ہے۔ ہمارے لوگ تو نسخوں سے مدد دینے میں بھی دریغ کرتے ہیں۔

فقط

سید حسین بلگرامی

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۴۹-۱۵۰]

---

[۳]

بلگرامی ہاؤس حیدرآباد دکن

۲۳ راگست ۱۹۱۰ء

مخدومی و مکرمی!

میں ۳ ر نسخے ترجمہ سورۃ البقرہ کے آپ کے نام روانہ کرتا ہوں۔ سورۂ آل عمران تمام ہو گیا۔ سورۂ نساء کا ترجمہ جاری ہے مگر اس کو میں چھپوا نہیں سکتا۔ اگر چہ چھپوانے کے بعد تصحیح میں

آسانی ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ جو آپ کے پاس پہنچے گا۔ ابھی ایک اور نظر غائر کا محتاج ہے، بعض مقامات میں ہم کو اطمینان نہیں ہے۔

حتی الامکان ترجمہ لفظ بلفظ کیا گیا ہے اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ چھاپنے کے وقت صفحہ کے پائیں کچھ حواشی لکھنا پڑیں گے۔

انگریزی ترجمہ روزمرہ کی انگریزی میں نہیں ہے، اس کی قدر وہی کرسکتا ہے جو زبان انگریزی پر قابو رکھتا ہو اور اس کے ادبیات سے واقف ہو، عام معمولی انگریزی داں کے کام کا نہیں ہے۔

میرے خیال میں ایک سال سے پندرہ مہینہ تک میں یہ کام پورا ہوجائے گا۔

افسوس ہے کہ یہاں کوئی ایسا فاضل نہیں ہے جس سے مشکل مقامات کی نسبت مشورہ کر سکوں۔

اگر لفظی ترجمہ کا ارادہ نہیں کیا ہوتا تو کام بہت آسان ہوجاتا مگر میں اپنے آپ کو اس کا مجاز نہیں سمجھتا کہ اپنی سمجھ کے موافق مطلب ہی مطلب انگریزی زبان میں ادا کروں۔

دوسری سورتوں کو بعوض چھاپنے کے ٹائپ میں لکھوانے کا ارادہ ہے، اس میں کم خرچ ہوگا۔

آپ اگر مطبوعہ نسخوں کو خود ہی ملاحظہ کریں اور دوسرے علما سے بھی جستجو کر کے مجھے مطلع کریں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ اگر کہیں مجھ سے غلطی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح ہوسکتی ہے کیونکہ چھپنے کے لیے ابھی بہت زمانہ چاہئے۔

میرا مزاج آج کل کسی قدر نادرست ہے مگر انشاءاللہ دو چار روز میں امید ہے کہ پھر دن بھر کام کرنے کے لایق ہوجاؤں گا۔ اب بھی کچھ نہ کچھ کام روز ہوتا ہے۔ فقط

سید حسین بلگرامی

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۰-۱۵۱]

[۴]

بلگرامی ہاؤس حیدرآباددکن

۲۴ر ستمبر ۱۹۱۰ء

مخدومی ومکرمی!

مرحمت نامہ پہنچا۔اس سے قبل کاایک مراسلہ بھی آپ کا جواب طلب تھا۔

جن کتابوں کی مجھے ضرورت ہے بذریعہ ویلو پی ایبل پارسل ضرور میرے نام روانہ کرادیجئے۔ترجمہ کا کام جاری ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو پہلا پارہ قبل از وقت بھیج دیا۔اس میں اب جو میں نے اصلاحیں کی ہیں،ان کے پیش نظر میں بلاتصنع کہہ سکتا ہوں کہ نہایت عمدہ ہیں۔ بلکہ کوئی حرف رکھے تو کہہ دیجئے کہ "**فاتوا بمثلہ ان کنتم صادقین**".جوانگریز دیکھتا ہے عش عش کرتا ہے مگر یقین نہیں ہے کہ ہمارے لوگ اس کی قدر کریں گے کیونکہ بہت کم لوگ زبان کی باریکیوں سے واقف ہیں۔

عرضداشت کا عمدہ لکھا جانا آپ کی مدد پر موقوف ہے۔مجھ کم بخت پر جب تک کوئی مسلط نہ ہوتو مجھ سے کوئی بیرونی کام نہیں ہوتا۔میں اس ترجمہ کے کام میں اب اتنا محو ہوگیا ہوں کہ مجھ سے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔اور یہ ایسا دقت طلب کام ہے کہ میرا ہی دل جانتا ہے اور مدد کہیں سے کسی قسم کی نہیں ملتی ہے اور نہ مل سکتی ہے۔اگر مجھے مقدور ہوتو میں مسودات کو چھپوا لینا چاہتا ہوں تاکہ نظرثانی کرنے میں اور حواشی چڑھانے میں آسانی ہو۔

کتابوں میں سوائے ان کے جن کے نام میرے خط میں مذکور تھے''ہومر'' بھی ممکن ہوتو بھجوایئے اور فرنچ شعراء کا ترجمہ۔اگرچہ عمر تھوڑی باقی ہے مگر ہوس نہیں جاتی۔

فقط

سید حسین بلگرامی

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء،ص۱۵۲]

[۵]

مہدی منزل، وقار آباد دکن

۴؍اکتوبر ۱۹۱۰ء

مکرمی!

آپ کا مراسلہ مورخہ ۲۹؍ماہ گذشتہ مجھے آج ملا۔ معلوم ہوتا ہے حیدرآباد میں اٹکا رہا۔ فقط آپ کے تقاضے کی حاجت ہوتی تو میں تکلیف دینا گوارا نہ کرتا مگر غالباً مضامین میں بھی ردوبدل کرنا پڑے گا۔ اور یہ بغیر آپ کی موجودگی کے ناممکن ہے۔

میں آپ کو وقار آباد والے مکان میں جگہ دے سکتا ہوں، ایک ہفتہ یہاں ٹھہرتے تو میں بھی یہیں آپ کے ساتھ ہوں گا، ہفتہ کے بعد پھر آپ حیدرآباد جا سکتے ہیں۔

سورۃ النساء اب تک ختم نہیں ہوا۔ اگرچہ اب بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ بعض مقاموں میں جہاں شک واقع ہوتا ہے، موجودہ کتابوں سے شک نہیں ہٹتا، میں نے جن کتابوں کی فرمایش کی ہے للہ جلد منگا دیجیے۔

آیت نمبر ۱۱۷ میں **اِنْ یدعون من دونه الا انثا.** ان کیا نافیہ نہیں ہے۔ اگر نافیہ نہیں ہے تو پھر استثناء کیسے ہے۔ موجودہ مواد سے حل نہیں ہوتا۔ شاید میں نحوی اور صرفی مسائل بھول گیا ہوں۔ اس ان کی حقیقت غالباً کچھ اور ہے۔

ترجمہ کی حالت یہ ہے کہ جب تک تین، چار، پانچ مرتبہ نظر ثانی نہ ہو تشفی نہیں ہوتی۔ سورۂ بقرہ کو میں دوبارہ طبع کرالوں گا تا کہ بطور نمونہ کے رہے، اگرچہ خرچ بہت ہوتا ہے۔

یہ ایک مشہور بات ہے اور ہر شخص کے نزدیک مسلم ہے کہ توریت وانجیل کے قدیم انگریزی ترجمہ کے برابر کوئی کتاب بحیثیت ادب وانشاء انگریزی زبان میں نہیں ہے، جہاں تک ممکن ہوا اس کی تقلید کی جاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کے نسخے جو آپ نے تقسیم کیے ہیں، بعد لوگوں کے ملاحظہ کے آپ کے پاس واپس آجائیں تو بہتر ہے۔

آپ کب تک یہاں آسکتے ہیں۔ مجھے اول سے معلوم ہوجائے تو بہتر ہے۔

سید حسین بلگرامی

میں کل یہاں سے حیدرآباد جاتا ہوں، دس روز یہاں قیام رہا۔ میرا مکان اور باغ یہاں نہایت عمدہ ہے، یعنی آرام اور تفریح کے واسطے، باقی کوئی امارت، شان شوکت تو نہیں ہے۔ اور ہو تو کہاں سے ہو۔

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۲-۱۵۳]

---

[۲]

بلگرامی ہاؤس، حیدرآباد دکن

۱۹/اکتوبر ۱۹۱۰ء

مخدومی و مکرمی!

ترجمہ ابھی ہارویز صاحب کو نہ دکھایئے (۴) میں نے اول دو سورتوں کی بہت کچھ اصلاح کی ہے اور باقی دونوں سورہ بھی تیار ہیں، میرا ارادہ ہے کہ ان کو یکجائی چھپوالوں، اگرچہ خرچ بہت ہوتا ہے مگر پوری اصلاح بغیر اس کے نہیں ہو سکتی۔

مولوی حمید صاحب (۵) کی تحریر کو میں بہت عزت کی نظر سے دیکھوں گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس نظر سے اصلاح کروں گا۔

میں نے چار سال پیشتر مدراس کی سرکار سے کہا تھا کہ اگر وہ معقول تنخواہ دینے کا وعدہ کرتی تو میں ان کے لیے ایک پروفیسر عربی و فارسی ٹھہرا دوں گا۔ کیونکہ بحیثیت ممتحن ہونے کے مجھے معلوم ہے کہ سارے مدراس پریسیڈنسی میں کوئی ایک عالم نہیں ہے جو یونیورسٹی کو عربی و فارسی تعلیم میں مدد دے سکے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دلی کا ایک اوباش شخص حیرت لقب (۶) آپ پر اور مجھ پر کیا منہ کی آرہا ہے۔

'ان' کا ترجمہ میں نے تو ماے نافیہ کے معنوں میں کیا ہے، مگر ترجموں میں اور تفسیروں میں متروک پاتا ہوں، یہاں تک کہ حصر کے معنی بھی شاہ صاحب کے ہاں یا مولوی نذیر احمد کے ہاں نہیں لئے ہیں۔

میری کتابیں کب تک پہنچ جائیں گی، مجھے ان کی سخت ضرورت ہے۔

روپیہ آپ ہرگز میرے پاس نہ بھیجئے، میں واپس کردوں گا۔ میں کسی انجمن، سوسائٹی سے مدد نہیں چاہتا۔ اگر میرا ترجمہ عمدہ ہوگا تو وہ آپ ہی اپنی مدد کرلے گا۔

یہاں بعض احباب کی رائے یہ ہے کہ میں چار سورتوں کا ترجمہ جو ختم ہو گیا ہے طبع کرا کے شائع کردوں۔ آپ کی کیا رائے ہے، ایسا ارادہ اگر کیا جائے تو مجھے چند ہفتے حواشی چڑھانے میں لگیں گے اور کام رک جائے گا۔

مشکل یہ ہے کہ یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔ کتابیں نکالنا اور مقامات ضروری کو ان میں دیکھنا سب مجھی کو کرنا پڑتا ہے اور اس وجہ سے کل تفاسیر موجودہ دیکھنے کی نوبت نہیں آتی۔

میں خصائص ابن جنی کے چھپوانے کی فکر میں ہوں، ایک نسخہ بہت عمدہ ہاتھ لگ گیا ہے، اگرچہ عاریۃً ہے۔ مجھے مستعار کتابوں سے کام لینا ابتدائے عمر سے آج تک گراں گزرتا رہا، اب بھی ناگوار ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے۔

خصائص کا کوئی نسخہ ہندوستان میں کسی کے پاس ہو تو میں اس کی نقل کرالوں۔ ایسے جواہر ریزوں کا نہ شائع ہونا حیف کی بات ہے۔

آپ کب تک آسکیں گے، اگر آپ کے آنے میں دیر ہے تو عرضداشت میں جن مضامین کا اضافہ ہونا چاہئے وہ آپ قلم بند کر کے مجھے بھیج دیجئے۔ میں خود اپنی طرف سے کوئی مضمون اضافہ نہیں کرسکتا۔ ہاں عبارت کو معمول و دستور کے روش پر لا دوں گا اور کسی قدر چست کر دوں گا۔

اگرچہ مجھے آج کل سوائے ترجمہ قرآن مجید کے اور کچھ نہیں سوجھتا، یہاں اکثر بارج امور پیش آجاتے ہیں، جن سے نہایت ملال ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اکثر

اوقات وقارآباد میں رہوں مگر اس قسم کے دواعی پیش آجاتے ہیں جن سے ناچار یہاں آنا پڑتا ہے۔ یاوقارآباد میں بھی یورپین مہمان لوگ آجاتے ہیں اور وقت ضائع ہوتا ہے۔

سید حسین بلگرامی

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۴-۱۵۵]

---

[۷]

بلگرامی ہاؤس حیدرآباد دکن

۳رنومبر ۱۹۱۰ء

مخدومی ومکرمی!

آپ کے اس طرف دو تین رقعے مختصر طور کے وصول ہوئے۔ اور مولوی حمیدالدین صاحب کا نوٹ بھی سورہ الحمد پر ملا۔ میں ان کے نکات کی جہاں تک ممکن ہوگا پابندی کروں گا۔

باریک لغوی نکات کی پابندی وہیں تک کی جائے گی جہاں تک انسجام عبارت میں فرق نہ آوے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اپنا ترجمہ قبل از وقت بھیج دیا کیونکہ بہت سی تبدیلیاں جو بعد میں ہوئی ہیں، ان سے بہت فرق ہوگیا ہے۔

کتاب اب تک تو نہیں پہنچی۔ پہنچے گی تو رقم دے کر لے لی جائے گی۔ رقم آپ واپس کر دیں تو بہتر ہے، میں قبول نہیں کرسکتا، جس طرح سے ممکن ہوگا کام چلالوں گا۔

ترجمہ جاری ہے مگر بیچ بیچ میں دوسرے امور مخل ہو جاتے ہیں، اس کا کوئی علاج نہیں۔

دوسری کتابیں کب تک آجائیں گی، یہاں ایک جا اغانی کا پتہ چلا ہے مگر سر دست ملی نہیں۔

سید حسین بلگرامی

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۶۵ء، ص ۱۵۵-۱۵۶]

تعلیقات و حواشی

(۵) عمادالملک سید حسین بلگرامی [۱۸۴۴-۱۹۳۶ء] قصبہ بلگرام کے ممتاز اہل علم، متعدد زبانوں انگریزی، فرانسیسی، بنگالی، عربی و فارسی کے ماہر تھے۔ اردو مضامین کا ایک مجموعہ ''رسائل عمادالملک'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ''انتخاب دیوان میر'' بھی ان کی ایک کاوش ہے۔ ریاست حیدرآباد میں عرصہ تک تعلیمات کے ڈائرکٹر رہے۔ علامہ شبلی سے گہرے مراسم تھے۔ ان کی تحریک پر انہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کا کام شروع کیا تھا جو ۱۵/ پاروں تک پہونچ کر شبلی کی وفات کے سبب ہمیشہ کے لئے رک گیا۔ یہ خط وکتابت اسی سلسلہ میں ہوئی ہے۔ ان کے نام علامہ شبلی کا کوئی خط مکاتیب شبلی میں شامل نہیں ہے۔

(۲) آریہ سماج کی شدھی تحریک کے خلاف علامہ شبلی نے بڑی جدوجہد کی، حفاظت واشاعت اسلام کے نام سے ایک تحریک چلائی۔ خود رائے بریلی اور شاہ جہاں پور وغیرہ کا دورہ کیا۔ راجپوتانہ میں معتمد اشخاص بھیجے۔ اسی غرض سے انہوں نے ندوہ میں ہندی اور سنسکرت کا شعبہ قائم کیا تھا۔ حفاظت و اشاعت اسلام دراصل اسی تحریک کی وجہ سے قائم ہوئی۔ [آثار شبلی ص ۵۵۴]

(۴) پروفیسر جوزف ہارویز [۱۸۷۴-۱۹۳۱ء] جرمن مستشرق اور اسکالر، ۱۹۰۷ء میں ایم، اے، او، کالج علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر کی حیثیت جرمنی سے بلائے گئے۔ متعدد اسلامی کتابیں ایڈٹ کیں۔ سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مولفین ان کی ایک اہم کاوش ہے۔ جس کا اردو ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کیا ہے۔

(۵) علامہ حمیدالدین فراہیؒ

(۶) حیرت: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

[۱۷]

مہدی حسن افادی (۱)

[۱]

منجن پور۔الہ آباد

جنابِ من!

جواباً یاد فرمائی کا شکریہ۔ افسوس ہوا، آپ الندوہ کی مالی حالت کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ آج کل کے تعلیم یافتہ صحیح مذاق علمی سے قریب قریب نا آشنا ہیں اور ان کے خیال میں جہالت بھی ایک طرح کا استغنا ہے۔ آپ جس پودھ کو تیار کر رہے ہیں، اس سے کچھ توقعات ہو سکتے ہیں لیکن ابھی صرف تخم ریزی شروع ہوئی ہے! سمجھ میں نہیں آتا قدر دان کہاں سے پیدا کئے جائیں۔ تاہم وضعداری کا اقتضاء یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ کئے جایئے اور وہ بھی اس حیثیت سے:

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِلِ کوزہ

پچھلے ہفتہ میں میں نے جو زائد پرچے آپ کے دفتر سے منگوائے وہ گشت میں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کچھ یونہی سی تحریک شروع ہوگئی ہے۔ ایک صاحب نے خریداری پر آمادگی ظاہر کی جن کی پھانس کے لئے خود ایک منی آرڈر آج کی ڈاک میں بھیجتا ہوں۔ میں ان سے وصول کرتا رہوں گا۔

براہ مہربانی ہدایت فرمایئے کہ سال جدید کے تین پرچے بواپسی ڈاک بھیج دیے جائیں۔

آپ کا خادم

مہدی حسن

۵؍جولائی ۱۹۰۶ء

[ماخذ: مکاتیب مہدی ص ۴-۵]

---

[۲]

منجن پور، الہ آباد

جناب قبلہ!

آپ کے لایق ادب کارڈ بھی اس قدر جامع و مانع ہوتے ہیں جیسے چنے کی دال پر قل هو الله. لکھی ہو۔ الندوہ ملا اور اس لطف کے ساتھ کہ پچھلی شکایت یعنی سختی انتظار کی تلافی ہوگئی۔ کسی زمانہ میں آپ کا خیال تھا کہ سخن آفرینی صرف حالی کا حصہ ہے۔ ندوہ کی سرگزشت پڑھنے کے بعد میں آپ کے خیال سے اتفاق رائے کے لائق بالکل نہیں رہا۔ یہ صحیح ہے کہ وسیع النظری کے ساتھ بھی جہاں تک مواد کا تعلق ہے، آپ واقعات کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ تاہم میں الندوہ کے لٹریچر کے ایک وصف اضافی کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی آپ دو سطریں بھی ایسی نہیں لکھ سکتے، جن میں چشم سخن کسی نہ کسی لٹریری مسئلہ کی طرف اشارے نہ کرتی جائے اور یہ انشا پردازی کا کمال ہے۔ آج ملک میں آپ کے سوا کون ہے جو کم سے کم میری توقعات اس حیثیت سے پوری کرسکتا ہو۔ [دیکھئے ضمناً اپنی تعریف بھی کر گیا] مجھ کو ہمیشہ اس کا صدمہ رہے گا کہ حیدرآباد سے علاحدگی کے بعد آپ علی گڑھ کو اپنا مستقر نہ بنا سکے اور یہ کالج کی انتہائی بدنصیبی ہے۔ میں ان لوگوں کا ہم خیال نہیں ہوں جو سمجھتے ہیں کہ آپ نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی یا یہ کہ موجودہ مشاغل آپ کے لئے ناموزوں ہیں۔ میرے خیال میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ علمی مقاصد کے لئے مختلف موضوع کے لحاظ سے ملک میں ایک سے زیادہ انسٹی ٹیوشن موجود نہ ہوں۔ لیکن یہ میرے دل کا چور ہے جسے آپ سے چھپانا چاہا کہ میں آپ کو کالج میں دیکھنا چاہتا تھا۔ بہرحال ندوہ اور اس کے متعلقات کا تمام بار قریب قریب اکیلے دم پر ہے اور غالباً انہی افکار میں آپ دوراز حال روز بروز

گھٹتے جاتے ہیں۔ کچھ دن کے لئے کسی پہاڑ پر چلے جائے۔ صحت اگر سنبھلی رہی تو کام بہتیرا ہو رہے گا۔ پچھلے دنوں آپ بہت تکلیف اٹھا چکے ہیں۔

تقریظ مثنوی (۲) کی اشاعت کا زمانہ اب قریب ہوگا۔ ایک جلد خاص کے لئے غالباً میرا نام درج یادداشت ہوگا۔ براہ مہربانی ہدایت فرمادیجئے گا کہ ایک جلد احتیاط کے ساتھ مجھے وی. پی. بھیج دی جائے۔ الکلام کی سی جلدوں کا اہتمام بھی اگر ہو تو میں اپنی کتاب مجلد پسند کروں گا۔

آپ کا

مہدی

۱۱؍جون ۱۹۰۶ء

[ماخذ: مکاتیب مہدی ص ۵-۶]

---

[۳]

جناب والا!

آپ کے والا نامہ کا جواب اتنے دن کے بعد! آپ کو تعجب ہوگا، لیکن میں نے آپ کو اپنے ''احرام جدید'' کی خبر نہیں دی۔ یعنی مدت کی تلاش کے بعد وہ ''جنس لطیف'' ہاتھ آئی جو آپ لوگوں کو دوسری دنیا میں ملے گی۔ خوف تھا کہیں پت جھڑ شروع نہ ہو جائے لیکن اب تو نئے سرے سے کونپلیں پھوٹتی معلوم ہوتی ہیں۔ آج کل خیال کے فلسفہ کا عامل ہوں، کوئی ادا چھوٹنے نہیں پاتی، اس لئے میری مصروفیت کا اندازہ کر لیجئے، تاہم آپ کی تازہ ترین تصنیف [یعنی شعرالعجم] پیش نظر ہے اور کبھی کبھی حنائی ہاتھوں میں بھی ہوتی ہے۔ فردوسی پر آپ کا ریویو اس حصہ کی جان ہے۔ خیام (۳) کے ساتھ جس قدر ایشیائی مصنفین کو بخل تھا، آپ نے اس کی فیاضانہ تلافی کر دیا اور چونکہ یہ میرے نئے عنوان زندگی کے لحاظ سے مطلوب کی بات تھی، اس لئے بہت خوش ہوا لیکن اس کی رباعیاں جو آپ نے لی ہیں وہ اس کا ٹکٹ ہیرن ایلن کے قدیم ترین نسخہ سے جو آپ کے پاس

بھی ہے نہیں لی گئیں جو مستند ہونے کے سوا تصرف سے بھی غالباً محفوظ ہے اور مطبوعات میں کہیں کہیں غیر مانوس اسلوب بیان ہے جس سے معلوم ہوتا ہے بعد میں تحریف ہوئی، لیکن یہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اسے تو آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ دوسرا حصہ بھی جلد بھیج دیجیے تو ذرا اردو لٹریچر پر تنقیدات عالیہ (یعنی ہائر کریٹی سزم) کے سلسلہ میں دل کھول کر کچھ لکھ ڈالوں۔

ہاں جناب! ''آپ کا بندہ اور مشرک! ہو ہی نہیں سکتا'' بہت تیز فقرہ رہا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ صلائے عام کے ساتھ مرا حسن ظن اتنا بڑھا ہوا نہیں جتنی کہنہ مشق ایڈیٹر کی گرویدگی میرے ساتھ ہے۔ بات یہ جہاں آپ کے تاریخی لٹریچر کی سنجیدگی پر مرمٹا ہوا ہوں میرا یہ خیال ضرور ہے کہ ناصر علی (۴) زبان اچھی لکھتا ہے اور ہلکے لٹریچر میں ایک خاص طرح کا لطف ادبی جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے لب ولہجہ میں ہے۔

پچھلے پرچہ میں ''مسکرانے'' پر اس نے جو کچھ لکھا ہے بمبئی والی کو پیش نظر رکھ کر دیکھئے۔ لیکن اس دفعہ آپ کا رنگ وہاں کچھ پھیکا رہا، کیونکہ آپ نعم البدل ڈھونڈھتے ہیں۔ وہ الہ آباد میں موجود ہے، لیکن جب تک آپ پردہ کا گلا نہ گھونٹیں۔ اگر وہ آنکھوں میں نہ آئے تو میرا قصور نہیں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ آپ فلسفۂ قدیم کے عامل ہیں یعنی منہ پر کچھ اور دل میں کچھ اور۔ اور میرے ہاں مقتضائے نفس اور شایان حال، دونوں ایک چیزیں ہیں یعنی ہم لوگ کہیں سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ دل اور زبان گویا صرف ایک چیز کے دو نام ہیں۔

مدت ہوگئی آپ نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ ضرور تشریف لایئے۔ موجبات ترغیب میں صاحب ''قبلہ قبلی''، یعنی حضرت اکبر کافی ہیں۔

الندوہ آج کل بہت انگریز ہو گیا ہے۔ باقاعدہ وقت سے آتا ہے۔ آپ بھی متوجہ معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی نئی حرکت آپ نے اس درمیان میں اور سوچی۔ ہندوستانی ماؤں کی طرح کہ ایک گود میں، ایک پیٹ میں۔ آپ کے طبع زاد معنوی بھی انہی ترکیب سے وجود میں آتے رہتے ہیں۔ نئی امید ہو تو پتہ دیجئے گا۔ قاضی صاحب کے ''اعلیٰ ترین دماغوں'' کے ''بہترین نتائج'' کا انتظار ہی رہا۔ (۵)

آپ کا

مہدی

[ماخذ: مکاتیب مہدی ص ٦-٨]

تعلیقات و حواشی

(۱) مہدی حسن افادی [م: ۲۲/نومبر ۱۹۲۱ء] گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ تحصیلدار کی حیثیت سے مختلف تحصیلوں پر تعینات رہے۔ ادب وانشا کا بڑا صاف ستھرا مذاق رکھتے تھے۔

علامہ شبلی کے خاص احباب میں تھے بلکہ ان کے بڑے معتقد و مداح اور ان کے ادب وانشاء کے بڑے شیدائی تھے۔ شبلی کو ''ملک میں تاریخ کا معلم اول'' انہیں کا دیا ہوا خطاب ہے۔ شعرالعجم کو ادب عالیہ کا نمونہ قرار دیتے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ علامہ شبلی کی ہر ادا پر جان دیتے تھے۔

مہدی حسن افادی اردو کے بڑے بانکے ادیب وانشاء پرداز تھے۔ ان کی نثر میں اشاریت بہت ہے۔ نئے نئے الفاظ ومحاورات واصطلاحات کے خوب صورت اور برمحل استعمال پر بڑی قدرت تھی۔ افادات مہدی ان کے ادبی مضامین کا بڑا دلکش مجموعہ ہے۔ جوان کی وفات کے بعد بیگم مہدی نے مرتب کر کے شائع کرایا تھا۔ ''مکاتیب مہدی'' بھی انہی کی کوششوں سے شائع ہوئی۔

(۲) سوانح مولانا روم میں تبصرہ بر مثنوی مولانا روم کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) عمر خیام [۱۱۲۳-۱۱۳۲] مشہور فارسی رباعی گو شاعر

(۴) ناصر علی: مشہور فارسی شاعر۔

(۵) مکاتیب شبلی میں ان کے نام ۷۹ خطوط شامل ہیں، مذکورہ خطوط کے جوابات بھی اس میں موجود ہیں۔ [مکاتیب شبلی حصہ دوم ص ۱٦۷-۲۰۰]

---

[۱۸]

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی (۱)

[۱]

مولانا تسلیم!

میں ۹؍محرم کو یا ۱۲؍محرم کو ضرور بالضرور انشاءاللہ تعالیٰ لکھنؤ پہنچ جاؤں گا۔ اس جلسہ (۲) میں مولوی حاجی احمد علی صاحب مدرس مدرسہ میرٹھ اور جناب مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی اور جناب مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی کو ضرور بلایئے۔

میں چونکہ جلسہ تعلیم نسواں کلکتہ کا باضابطہ ممبر مقرر ہوا ہوں اور تاریخ کمیٹی ۵؍مارچ [۱۹۰۷ء] ہے بایں لحاظ میری اقامت لکھنؤ میں کل ۳؍مارچ تک ہوگی، وہاں سے براہ راست میں کلکتہ چلا جاؤں گا۔

والسلام

محمد سلیمان قادری چشتی

از پھلواری شریف ضلع پٹنہ

۱۹؍فروری ۱۹۰۷ء

---

[۲]

مولانا تسلیم!

میرے دانتوں میں ہرج ہوگیا ہے، درد شدید ہے، ورم بھی آگیا ہے، کھانے پینے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور طبیعت اچھی نہیں، اس لئے آج میں نے اپنی حاضری کے عزم فسخ کیا،

اب جلسہ کے موقع پر پہونچنے کی میری امید نہیں ہے، لہٰذا میں نہایت ہی معذرت کرتا ہوں اور ندامت کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوں۔ حاشا وکلا یہ کوئی بہانہ نہیں ہے، میں بہت ہی مجبور ہوں۔ ورنہ قصد مصمم ہو چکا تھا اور حاضری میں کوئی عذر نہ تھا۔

والسلام

محمد سلیمان قادری چشتی

از پھلواری ضلع پٹنہ

۲۶ رفروری ۱۹۰۷ء

[ماخذ: روداد جلسہ عطائے سند دارالعلوم ندوۃ العلماء مارچ ۱۹۰۷ء ص ۳-۴]

تعلیقات وحواشی

(۱) مولانا شاہ سلیمان پھلواروی [م: ۱ر جون ۱۹۳۵ء] مشہور عالم دین اور شعلہ بیان خطیب ومقرر تھے۔ اردو عربی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ ان کا تخلص حاذق تھا۔ پھلواری شریف بہار کے صوفیا کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مختلف مقامات پر اہل علم سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ لکھنؤ میں طب پڑھی اور طبابت بھی کی۔ لیکن قومی جذبات سے سرشار ہو کر تحریک ندوہ میں شامل ہوئے۔ دارالعلوم ندوہ کی تعمیر و ترقی میں پیش پیش رہے۔ بڑے خطیب تھے۔ ان کی ایک تقریر سرسید احمد خاں نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع کی تھی۔ علامہ شبلی سے گہرے تعلقات تھے۔ خط و کتابت بھی رہی۔ انہی کی کوششوں سے ندوہ لکھنؤ میں قائم ہوا۔ مولانا محمد علی مونگیری اور علامہ شبلی کی طرح ندوہ کی تعمیر و ترقی میں ان کا بھی بڑا نمایاں حصہ ہے۔

(۲) جلسہ عطائے سند دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو ۱۹۰۷ء

---

[۱۹]

مشرف الحق (۱)

[۱]

جناب عالی!　　　　　السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مورخہ ۱۰؍جون ۱۹۰۸ء صادر ہوا۔ ایڈنبرا اسلامک سوسائٹی (۲) کی ہدایت سے میں آپ کو مطلع کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں کہ سوسائٹی کا آنریری پریزیڈنٹ بننا قبول فرما کے جو عزت آپ نے ممبروں کو عطا فرمائی ہے اس کے لئے کمیٹی آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے اور مجھے عرض کرنے میں خوشی ہے کہ آپ بالاتفاق اس ممتاز عہدہ پر مقرر فرمائے گئے۔ (۳)

آپ سے پیشتر جو بزرگ اس اعزازی صدارت کو قبول فرما چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ سید امیر علی صاحب سی آئی ای　لنڈن
۲۔ ہزاکسلنی محمد فرید بے　قاہرہ
۳۔ شیخ عبداللہ کویلم　لورپول

۲۷؍جون کو لنڈن میں اعلیٰ حضرت خدیو مصر دام ملکہ نے سوسائٹی کے ڈپوٹیشن کو پیشی میں طلب فرما کر عزت افزائی فرمائی اور زبان مبارک سے نہایت پر اثر الفاظ میں جن سے جناب موصوف کی بیدار مغزی اور قومی ہمدردی کا ثبوت ملتا تھا سوسائٹی کا پیٹرن [مربی] بننے میں مسرت ظاہر فرمائی۔ ڈپوٹیشن کو ہزاکسلنی رفعت بی سفیر دولت عثمانیہ اور مرزا مہدی قائم مقام سفیر

ایران سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے جو خدمت اپنی بیش بہا تصانیف سے اسلام کی کی ہے اس سے ہمارے مصری ممبر بھی بخوبی واقف ہیں۔

آپ کے عنایت نامہ کا بار دگر شکریہ ادا کرنے کے بعد میں ہوں

مشرف الحق

آنریری سکریٹری

ایڈنبرا اسلامک سوسائٹی

[ماخذ: ماہنامہ الندوہ، لکھنو، اگست ۱۹۰۸ء ص ۳-۴]

تعلیقات و حواشی

(۱) مولوی مشرف الحق صاحب، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے نواسے اور اڈنبرا اسلامی سوسائٹی کے آنریری سکریٹری تھے۔ ان کو اسلامی تاریخ کی تحقیقات کا نہایت شوق تھا اور اس کے متعلق انہوں نے بڑا مفید سرمایہ مہیا کیا تھا۔ ان کے بارے میں مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۲) اڈنبرا اسلامی سوسائٹی، ایک علمی و تحقیقی سوسائٹی تھی۔ اس کا مقصد خالص علم و تحقیق تھا۔ اس کے اکثر ارکان دمشق، مصر اور ایران کے تھے۔ البتہ آنریری سکریٹری ہندوستانی تھے۔

[دیکھیں الندوہ جولائی ۱۹۰۸ء]

(۳) کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ علامہ شبلی اڈنبرا اسلامی سوسائٹی کے آنریری پریسیڈنٹ تھے۔ یہ خط اسی اطلاع کے لئے آنریری سکریٹری نے لکھا ہے۔

---

[۲۰]

نواب سر سلیم اللہ خاں (۱)

[۱]

مولانا العلامه ادامکم الله بالفضل والکرامه

السلام علیکم وعلی من لدیکم

نوازش نامہ مرقومہ ۱۳؍ مارچ ورود ہو کر باعث کمال منت کا ہوا۔ آپ نے جو سالانہ جلسہ ندوۃ العلماء میں خود مع ارکان میری شرکت کی خواہش ظاہر فرمائی ہے میں آپ کا اور نیز اراکین ندوہ کی اس خاص یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ فی الحال مجھ کو مقامی ضرورتیں اجازت نہیں دیتیں ہیں کہ میں کہیں نقل وحرکت کر سکوں اور ہر کام مہتم بالشان ہو رہا ہے، مثلاً لاٹ صاحب کی تشریف آوری، اس سلسلہ میں ابھی سے مصروف ہو جانا پڑا ہے۔ اگر میں اس وقت اپنی جگہ چھوڑتا ہوں تو ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو یہاں کے ہر انتظامی امور کا اہلیت کے ساتھ ذمہ دار ہو سکے، اس لئے میں نہایت حسرت کے ساتھ جلسہ ندوہ عدم شرکت پر معافی چاہتا ہوں۔

والعذر عند کرام الناس مقبول .

محمد سلیم اللہ خان

ڈھاکہ

[ماخذ: رودادندوہ اپریل ۱۹۱۲ء ص ۴۱-۴۲]

تعلیقات وحواشی

(۱) نواب خواجہ سرسلیم اللہ خاں [۱۸۸۴-۱۹۱۶ء] ڈھاکہ کے نواب تھے۔آبائی وطن کشمیر تھا۔ انگریزوں نے سر کا خطاب دیا تھا۔ بڑے بااثر شخص تھے۔۱۶؍جنوری ۱۹۱۶ء کو کلکتہ میں وفات پائی۔تدفین خاندانی قبرستان ڈھاکہ میں ہوئی۔

[۲۱]

سید فخر الحسن (۱)

[۱]

جناب شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی دام ظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سالانہ جلسہ ندوۃ العلما کے بعد اخبارات میں یہ خبر مشتہر ہوئی کہ ندوۃ العلما کے ایک فارغ التحصیل طالب علم نے جلسہ عام میں اسی وقت خواجہ غلام الثقلین (۲) کے مقرر کردہ مضمون پر عربی زبان میں فصیح و بلیغ تقریر کی، جس کو سن کر سب علمائے موجودہ جلسہ نے تعریف فرمائی۔ یہ خبر پڑھ کر ندوۃ العلما کے بہی خواہوں کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے، لیکن جب اب آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب (۳) ندوۃ العلما میں تشریف لائے اور حسب فرمایش صاحب موصوف عربی زبان میں تقریر کرنے کو کہا گیا تو پھر دوبارہ وہی صاحب منتخب ہوئے، جنھوں نے سالانہ جلسہ میں عربی زبان میں تقریر فرمائی تھی اس پر بعض صاحبان یہ کہتے ہیں کہ یہ اتفاقی امر ہے کہ مولوی سید سلیمان صاحب (۴) کو ایسا ملکہ ہوگیا ہے کہ عربی زبان میں تقریر کرتے ہیں، ہر ایک فارغ التحصیل طالب علم ندوۃ العلما تقریر نہیں کرسکتا۔

اس لئے عرض ہے کہ براہ مہربانی اس کی بابت بذریعہ رسالہ الندوہ جواب مشتہر فرمادیں کہ اصل کیا ہے۔

میرے خیال میں تکمیل تعلیم عربی زبان کے لئے مولوی سید سلیمان صاحب کو مصر و عرب ترکستان میں ندوۃ العلما کی جانب سے بھیجنا چاہئے، جیسے گورنمنٹ ہندوستان سے وظیفہ دے کر بعض بعض کو انگلینڈ بھیجا کرتی ہے۔

بندہ سید فخر الحسن

ہاسپٹل اسسٹنٹ، راجپوتانہ

[ماخذ: ماہنامہ الندوہ، لکھنو جنوری ۱۹۰۸ء ص ۵]

تعلیقات و حواشی

(۱) سید فخر الحسن: راجپوتانہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۲) خواجہ غلام الثقلین [۱۸۷۲–۱۹۱۵ء] بی اے، ایل، ایل، بی وکیل عدالت لکھنو۔ پانی پت کے رہنے والے اور مولانا حالی کی پوتی کے شوہر تھے۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغہ اصلاح تمدن [سوشل ریفارم] کے سکریٹری تھے۔ لکھنو میں گولہ گنج چورا ہے [گوئن روڈ] پر ان کی کوٹھی تھی۔ یہیں وکالت کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۰۶ء میں لکھنو سے ایک ماہانہ رسالہ ''عصر جدید'' جاری کیا، پھر خواجہ صاحب جب لکھنو سے میرٹھ منتقل ہوئے تو اسے وہاں بھی جاری رکھا۔ جوان کی وفات [۱۹۱۵ء] تک جاری رہا۔ خواجہ صاحب اگر چہ شیعہ تھے لیکن ان میں بڑا توسع تھا۔ عراق و ایران کے مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی اور اس کا سفر نامہ بھی لکھا تھا۔ مرزا ہادی رسوا سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ صالحہ عابد حسین انہی کی صاحبزادی تھیں۔ جن کی مشہور کتاب یادگار حالی ہے۔

(۳) جسٹس سید شرف الدین کلکتہ: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۴) علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد مولانا سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی کے شاگرد رشید اور دار المصنّفین کے معمار جو اس وقت ندوہ میں طالب علم تھے اور جلسہ کے موقع پر برجستہ عربی میں تقریر کی تھی۔ جس کا ذکر اخبارات میں آیا۔

(۵) اس کے جواب میں علامہ شبلی نے لکھا کہ:

> ''بے شبہ عربی تعلیم کا جو معیار آج تک تسلیم کیا جاتا تھا اس کے لحاظ سے یہ صدا بالکل نئی تھی، اس لئے ندوۃ العلما کے بہی خواہوں کا یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے، لیکن ہمارے دوستوں کو ابھی ندوۃ العلما کی طرف سے بالکل مایوس نہ

ہونا چاہئے ،ندوۃ العلماابھی تک ابتدائی حالت میں ہے اوراس نے عربی علم و ادب کی وسعت اورترقی کے جووسائل اختیار کئے ہیں وہ بالکل محدوداور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ناکافی ہیں،تاہم بایں ہمہ بے سروسامانی یہاں کے طلبہ میں عام طور پرعربیت اور انشاپردازی کا مذاق پیدا ہوچلا ہے، جس کااندازہ ان کے طرزتحریر سے ہوسکتا ہے۔بعض طلبہ میں عربی زبان میں تقریر کرنے کامادہ بھی موجود ہے جووقتاً فوقتاً منظر عام پرقوم کے سامنے نمایاں ہوں گے۔چنددنوں سے طلبہ نے ایک انجمن قائم کی ہے جس میں عربی زبان میں گفتگواورتقریر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔عام طور پرطلبا نے اس انجمن کے ساتھ جودلچسپی ظاہر کی ہےاس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے نتائج خاطرخواہ نکلیں گے۔

ہمارے دوست نے سیدسلیمان کومصر بھیجنے کی جوتحریک پیش کی ہے، اس کا احساس ہم خودایک مدت سے کررہے ہیں، بلکہ ہماراذاتی خیال تو یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کی طرف سے عربی زبان کی تکمیل ،وسعت معلومات اورموجودہ مذاق سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہرسال ایک ہونہار طالب العلم مصرکوروانہ کیاجائے ،لیکن چونکہ قوم اب تک ندوۃ العلما کی طرف عام طور پرمتوجہ نہیں تھی،اس لئے ہم نے اس کے متعلق آج تک کسی قسم کی کوئی عملی کارروائی نہیں کی مگراب جبکہ خودقوم کے بعض افرادکو یہ مفیداورضروری خیال پیدا ہوگیا ہے ہم اس تحریک کوقوم کے سامنے پیش کرکے امید کرتے ہیں کہ قوم کے علم دوست احباب اس قسم کے طلبا کے لئے وظائف مقرر کرنے میں اپنی فیاضی کا ثبوت دیں گے۔ [ماہنامہ الندوہ جنوری ۱۹۰۸ء ص ۶]

[۲۲]

حکیم عبدالوالی (۱)

[۱]

جناب اڈیٹر صاحب الندوہ

الندوہ نمبر ۶ میں جو نوٹ میرے متعلق بابت تعمیر کمرہ بورڈنگ دارالعلوم شائع ہوا ہے اس میں چونکہ کچھ غلطی ہے لہٰذا التماس ہے کہ الندوہ میں میری یہ تحریر ضرور شائع فرما کر رفع اشتباہ کر دیا جائے، یہ رقم مبلغ سات سو روپیہ کی میں نے تعمیر بورڈنگ کے لیے نہیں دی ہے بلکہ میرے چھوٹے بھائی حکیم عبدالقوی صاحب سلمہ نے اپنی اہلیہ کے انتقال کے موقع پر دی ہے، چونکہ مرحومہ نہایت روشن خیال تھیں اور عملی طور پر اپنی قومی بہنوں کی بہبودی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہا کرتی تھیں اس لیے ہم لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ ایسی خاتون کی موت معمولی عورتوں کی موت نہ ہونا چاہیے، جس میں چالیسویں اور بیسویں کے لغو مراسم ادا کر کے مرحومہ کی یاد بھلا دی جائے بلکہ ایسا کام کیا جائے جس سے ہمیشہ مرحومہ کو ثواب پہنچتا رہے اور ان کا نام بھی زندہ رہے تاکہ اور بہنوں کو ہمت اور توفیق ہو کہ وہ دنیا میں لغو مراسم کے چھوڑنے میں پیش قدمی کریں اور اچھی باتوں کو اختیار کریں، جب یہ رائے مستحکم ہوگئی تو خیال کیا گیا کہ کون سا کام ہمارے مقصد کے لیے موزوں ہے، چنانچہ اس وجہ سے کہ مرحومہ کو تہذیب النسواں سے خاص دلچسپی تھی اور اس کی ترویج کے لیے عملی طور پر بہت کچھ کوشش کی تھی۔ اس میں اکثر مضامین لکھتی تھیں۔ محمدی بیگم میموریل فنڈ میں خاص طور سے محنت کر کے چندہ کی ایک معقول رقم دفتر تہذیب النسواں میں بھیجی تھی۔ میری بھانجی دختر آغا غلام نبی صاحب کے ذریعہ سے دوائی فنڈ کا کام بھی نہایت سرگرمی سے

کیا تھا، [جس کو اب بھی انشاء اللہ وہ لڑکی جاری رکھے گی] یہ خیال ہوا کہ اسی فنڈ میں جو کچھ ہو سکے دے دیا جائے مگر میری رائے یہ ہوئی کہ دارالعلوم ندوۃ العلما میں چونکہ سلسلۂ تعلیم جاری ہوگا پس اگر یہ رقم وہاں بھیجی جائے تو یہ نیکی سب سے بڑھی ہوئی ہوگی، کیونکہ تعلیم ہی دنیا میں تمام خرابیوں کا جامع علاج ہے۔ میں نہایت مسرت سے یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ حکیم عبدالقوی سلمہ نے میری رائے کو خوشی سے قبول کیا گو اپنی کی بیوی کی محبت کے خیال سے ان کو زیادہ ہمدردی بہ سبب مرحومہ کی دل چسپی کے محمدی بیگم میموریل فنڈ سے تھی تاہم انہوں نے میری رائے کو قبول کیا اور بلا عذر اس کے لیے تیار ہو گئے جس کے واسطے میں ان کا مشکور ہوں۔

جب یہ سب مراحل طے ہو گئے اس وقت ہم لوگوں کا خیال ہوا کہ اگر یوں ہی مخصوص ان مرحومہ کے لیے ہم نے یہ کام کر لیا تو قوم کو بہت زیادہ فائدہ نہ ہوگا، بہتر یہ ہے کہ قوم میں یہ بات پیدا ہو کہ ایسے مواقع پر سب لوگ ایسی ہی مفید خیراتوں سے دین اور دنیا کا فائدہ حاصل کیا کریں، چنانچہ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے میں نے ایک دن میلاد شریف کیا اور کل اعزہ کو (مرد اور عورت) جمع کیا اور خود ہی میلاد شریف پڑھا اور جناب رسالت مآب ﷺ کی پاک زندگی، ایثار نفس، خلق اور حلم کا بیان کر کے آپ کے وہ اقوال اور ارشادات جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہترین انسان وہی ہے جو اپنے ہم جنس کے کام آئے، لوگوں کو سنا کر عملی طور پر یہ طریقہ جو خود ہم لوگوں نے اختیار کیا تھا اس سے مطلع کیا اور جو برے نتائج ان لغو مراسم سے دینی اور دنیوی پیدا ہوتے ہیں، جہاں تک زبان نے یاری دی اچھی طرح سمجھائے، خدا کا شکر ہے کہ کسی ممبر نے اس تجویز سے اختلاف نہیں کیا البتہ ایک دم ان مراسم کو توڑنے سے سب کو تحیر اور استعجاب ضرور ہوا، اللہ سے یہ دعا ہے کہ کل قوم میں ایثار نفسی کا مادہ پیدا کرے اور عقل سلیم عنایت کرے۔ آمین

خاکسار عبدالوالی

جھوائی ٹولہ

لکھنؤ

[ماخذ: ماہنامہ الندوہ لکھنؤ، اگست ۱۹۱۰ء۔ ص ۲۸ تا ۲۹]

تعلیقات و حواشی

(۱) حکیم عبدالوالی[۱۸۸۴-۱۹۴۱ء]اطبائے لکھنو[جھوائی ٹولہ]کے ایک ممتاز فرداور بڑے بااثر شخص تھے۔ایم اے او کالج علی گڑھ سے بی،اے اور خانوادے کے اطباء سے طب وحکمت کی تعلیم حاصل کی۔کلکتہ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر ہوئے،لیکن پرنسپل سر ڈینیسن راس(Sir Denson Rass) سے تکرار کے سبب مستعفی ہوکر بارہ بنکی چلے آئے،یہاں چار برس میونسپل بورڈ کے سکریٹری اور بارہ سال منتخب چیرمین رہے۔تحریک خلافت اورترک موالات وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،گرفتار ہوئے اورایک سال سے زاید جیل میں رہے۔رہائی کے بعد پنڈت موتی لعل نہرو کی سوراج پارٹی سے لکھنو میونسپلٹی کے انتخاب میں حصہ لیااور کامیاب ہوئے۔ان کے مدمقابل خان بہادر سید احمد حسن رضوی تھے۔مولانا شوکت علی،مولانا محمد علی جوہر،پنڈت جواہر لعل نہرو،چودھری خلیق الزماں،سید وزیر حسن اور پنڈت گووند ولبھ پنتھ وغیرہ ان کے بے تکلف احباب میں تھے۔

سیاست کے ساتھ علم وادب سے بھی گہرا شغف رہا۔جمیلہ کی ناکامی،زندگی کی مزے اور لامذہب مسلمان ان کی قلمی یادگاریں ہیں۔انہوں نے لکھنو جھوائی ٹولہ سے ایک رسالہ ''معلومات'' بھی جاری کیا تھا۔[تذکرہ خاندان عزیزیہ ص ۱۲۷]

علامہ شبلی سے کسی قسم کے مراسم کا اب تک کہیں ذکر نہیں ملا ہے۔یہ خط بھی انہوں نے ایک غلط فہمی کے ازالہ کے لئے لکھا ہے،جس سے کسی قسم کے تعلقات کا اندازہ نہیں ہوتا۔

[۲۳]

عطیہ فیضی (۱)

[۱]

اللہ اکبر!

مکرم ومحترم جناب مولانا دام مجدکم

تسلیمات عرض خدمت ہے۔آپ کے دو مشرف نامے اور کتابیں برابر مل گئیں۔حضور عالی اور بہن جان کل تشریف لائے بمبئی۔اور اسی وقت بہن جان کا مال ان کو دے دیا۔(۲) اس قدر خوش ہوئیں کہ کیا عرض کروں، کہنے لگیں کہ دنیا میں کوئی چیز اس سے بڑھ کر مقبول نہیں ہو سکتی تھی۔بہت ادب کے ساتھ آپ کا بہت بہت احسان مانتی ہیں۔

آگرے (۳) کی نسبت ضرور اطلاع دوں گی۔ندوہ کے کل کاغذات جو آپ نے عنایت فرمائے تھے وہ ہمشیرہ جان نے دیئے اور میں نے پڑھے۔یہاں کون اس قابلیت کا ہے جو وہاں جائے اور شریک ہو۔حضور نواب صاحب (۴) اور بہن جان (۵) علیٰ ہذا القیاس سارے حبشان (۶) کو غم ہے کہ آپ جزیرے تشریف نہ لے جا سکے!۔ان لوگوں کی بدقسمتی۔کاش یورپ ہمارے ساتھ آپ چل سکتے۔یہ بھی ہماری قسمت بلکہ کل ہندوستان کی۔

خدا کرے پاؤں کے بننے سے آپ کو کسی قدر آرام ہو۔(۷)

آپ کو چند باتیں مجھے لکھنی ہیں۔بندی حاضر ہے۔زیادہ حد ادب

اماں جان، حضور نواب صاحب ہمشیرہ جان زہرا بہن، نازلی بیگم سب آداب کہتے ہیں۔

عاجزہ

عطیہ

از ماؤنٹ تاورز

۱۲رفروری ۱۹۰۸ءمزگاؤں بمبئی

[ماخذ: ماہنامہ آج کل دہلی ستمبر ۱۹۶۳ء۔ص ۳۸و۴۷]

---

[۲]

Ahmed Gunj

Murud Janjira

محترم جناب مولانا شبلی صاحب

زمانہ ہوگیا کہ آپ کی طرف سے کوئی خبرنہیں ہے۔آپ کے دو مشرف نامے مجھے کپور تھلہ اور دہلی میں ملے تھے،ان کے جواب میں نہیں لکھ سکی کیونکہ میرا ارادہ نہ ہوا۔ بڑا لمبا سفر کر کے آخر تھوڑا عرصہ ہوا کہ اس بہشت (۸) میں آئی اور اب اس کو دیکھ کر سارے اول کے ارادے منقطع کرنے ہوتے ہیں اور کہیں جانے کا دل نہیں ہوتا ورنہ ہفتے میں میں منصوری جانے والی تھی مگر اب تو شاید سال بھر یہاں سے قدم نہ اٹھاؤں۔ دنیا میں سب سے اچھا مقام یہی ہے۔ہمشیرہ جان سے سنا کہ شعرالعجم حضور کے پاس آچکا ہے۔ میں نے ابھی نہیں دیکھا۔آج کل سارو جنی نائیڈو (۹) بھی یہاں ہیں،اس سے لطف دو چند رہتا ہے۔ بڑی خوش اور رنگین طبیعت ہیں۔آپ کو یاد ہوگا بمبئی میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا!

انگریزی میں عمر خیام باتصویر نکلی ہے۔(۱۰) آپ نے اس نسخے کو دیکھا ہے؟ ضرور دیکھئے اور کسی انگریزی داں سے کہئے کہ آپ کو ترجمہ کر کے سنائیں۔۳-۴ نئے نسخے نکلے ہیں لیکن سب سے اچھا Admund Dulac کا ہے۔اس مصور کو بذات خود میں اچھی طرح جانتی ہوں اور خیالوں سے میں (نے) مدد بھی کی ہے بلکہ چند تصویریں تو قریباً میرے خیالوں کا نتیجہ ہے (ہیں) کاش میں مصور ہوتی!

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہت اچھی طرح سے ہے۔

عاجزہ

عطیہ

۳۰ / مارچ [۱۹۱۰ء] (۱۱)

[ماخذ: ماہنامہ آج کل دہلی ستمبر ۱۹۶۳ء۔ص ۴۷]

تعلیقات و حواشی

(۱) عطیہ بیگم فیضی [۱۸۷۷-۱۹۶۴ء] ہندوستان کی پہلی مسلم خاتون تھیں جو جدید تعلیم کے لئے ۱۹۰۷ء میں یورپ گئیں۔ وہاں سے نظام تعلیم کے مطالعے کے لئے جرمنی گئیں۔ جہاں علامہ اقبال سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔

عطیہ فیضی نے کئی کتابیں لکھیں، ان کے متعدد مضامین اس دور کے خواتین کے رسائل میں شائع ہوئے، ایک رسالہ بھی جاری کیا تھا۔

وہ ترکی میں پیدا ہوئیں، ہندوستان اور یورپ میں تعلیم پائی، اس لئے ان میں بڑی بیبا کی اور روشن خیالی تھی۔ علامہ شبلی کے ان کے والد حسن علی آفندی سے ترکی میں مراسم قائم ہوئے، یہی تعلق انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ عطیہ لکھنو آئیں اور مشیر حسین قدوائی کی مہمان ہوئیں، یہیں شبلی سے ان کی ملاقات ہوئی، پھر ۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی کے پاؤں کا حادثہ پیش آیا اور وہ پیر بنوانے کے لئے بمبئی گئے تو زہرا بیگم اور عطیہ فیضی کو بلوایا اور ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا ذکر عطیہ فیضی نے شبلی پر اپنے مضمون میں تفصیل سے کیا ہے۔ پھر ان دونوں میں خط وکتابت کا سلسلہ قائم ہوا جو اخیر تک قائم رہا۔ عطیہ کے نام شبلی کا آخری خط ۱۹۱۳ء کا ہے۔ عطیہ کے نام شبلی کے کل ۵۵ / خطوط محمد امین زبیری نے خطوط شبلی میں شائع کئے ہیں۔ عطیہ نے جو خطوط علامہ شبلی کو لکھے تھے وہ کہیں دستیاب نہیں تھے۔ فیض الرحمٰن اعظمی کو کہیں سے شبلی کی بیاض ہاتھ آ گئی تھی جس کی تفصیل انہوں نے نہیں لکھی ہے اس میں انہیں عطیہ فیضی کے دو خطوط ملے تھے، اس پر انہوں نے ماہنامہ آج کل دہلی [ستمبر ۱۹۶۳ء] میں ایک مضمون ''عطیہ کے خطوط موسومہ شبلی نعمانی'' لکھا ہے۔ یہ دونوں خطوط اسی سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان دونوں خطوط اور ان کے جوابات ''خطوط شبلی''

میں موجود ہیں۔خطوط شبلی بنام عطیہ فیضی پر بڑی حاشیہ آرائی ہوچکی ہے مگران دونوں خطوط سے خط و کتابت کی سنجیدگی اورمتانت صاف دکھائی دیتی ہے۔ان میں اس خلوص ومحبت کی بومحسوس نہیں ہوتی جو بابائے اردو نے سونگھی تھی۔

(۲) مرادعطیہ فیضی کی بڑی بہن زہرابیگم [۱۸۶۶-۱۹۴۰ء] ہیں۔

(۳) اس زمانہ میں عطیہ آگرے کے سفر پر جانے والی تھیں۔

(۴) نواب جنجیرہ،عطیہ فیضی کی بڑی بہن نازلی بیگم رفیعہ کے شوہر۔

(۵) بڑی بہن نازلی رفیعہ بیگم

(۶) جزیرہ:شبلی نے لکھا ہے کہ جزیرہ یاحبشاں کا نام شعر میں آسکتا ہے۔خطوط شبلی ص ۶۷

(۷) اسی زمانہ میں علامہ شبلی کا وہ پاؤں بنا تھا جوایک حادثہ میں کاٹنا پڑا تھا۔

(۸) عطیہ فیضی نے جنجیرہ کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔علامہ شبلی نے جنجیرہ کے حسن کی تعریف میں دو غزلیں کہی ہیں۔ایک غزل کے چنداشعار یہ ہیں:

کسی کو یاں خدا کی جستجو ہوگی تو کیوں ہوگی
خیال روزہ وفکر وضو ہوگی تو کیوں ہوگی

جودودن بھی بسر کرلے گا اس قصر معلیٰ میں
اسے خلد بریں کی آرزو ہوگی تو کیوں ہوگی

ہوائے روح پرور بھی یہاں کی نشہ آور ہے
یہاں فکر مئے جام وسبو ہوگی تو کیوں ہوگی

کہاں یہ لطف یہ منظر یہ سبزہ یہ بہارستاں
عطیہ تم کو یاد لکھنو ہوگی تو کیوں ہوگی

(۹) بلبل ہند، سروجنی نائیڈو [۱۸۷۹-۱۹۴۹ء] انگریزی کی مشہور شاعرہ، شعلہ بیان مقرر اور سیاسی رہنما۔ کانگریس کی صدر اور گاندھی جی کی دست راست رہیں۔ علامہ شبلی سے ان کے مراسم کا کہیں ذکر تو نہیں ملتا، البتہ عطیہ فیضی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ عطیہ کے ساتھ ان سے شبلی کی ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی خطابت کی داد متعدد لوگوں نے دی ہے لیکن علامہ شبلی نے نقد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اردو تقریر میں اصل مضمون کی خوبی سے زیادہ طرز ادا کی خوبی کا لحاظ ہونا چاہئے، بمبئی کے جلسہ میں مسز نائڈو اگرچہ نہایت عمدہ بولیں، ڈلیوری بھی اچھی تھی لیکن تصویر کی طرح غیر متحرک رہیں، تقریر میں تمام اعضا کو زبان کا ساتھ دینا چاہئے۔

[خطوط شبلی ص ۳۶]

(۱۰) رباعیات عمر خیام کا مطبوعہ نسخہ۔

(۱۱) اس خط پر تاریخ و سنہ درج نہیں لیکن قرین قیاس ہے کہ یہ خط ۱۹۱۰ء کا ہے۔

[۲۴]

بنت نصیر الدین حیدر تیموریہ(۱)

[۱]

نصیر منزل کا چھی گوڑا حیدر آباد دکن
۲۵/اپریل ۱۹۱۲ء

جناب من!

سیرت نبوی کی تالیف کا جو تہیہ آپ نے ظاہر فرمایا ہے کیا مجھے اجازت ہے کہ اس کے متعلق میں کچھ عرض کروں؟

اگر یہ مہتم بالشان کام خدا نے آپ کے ہاتھ سے پورا کرادیا تو آپ نے نہ صرف اسلام کا ایک حق ادا کیا بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں پر بڑا بھاری احسان کیا۔ خدا اس مشعل ہدایت کو جلد روشن ہونا نصیب کرے اور گم کردہ راہ دنیا کو اس کی روشنی میں منزل مقصود دکھائے۔

غالبًا میرا یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یورپ آپ کی اس تصنیف سے متمتع ہونے کا بہت کچھ مادہ اپنے میں پیدا کر چکا ہے۔ میں نے اپنی انگلش احباب [لیڈیز] کے محدود حلقہ میں اکثر کو امر حق کا جو جویا پایا اور زیادہ تر انہیں کو جو علم سے زیادہ بہرہ اندوز ہیں، بعض کو میں نے اس ضد پر پایا کہ اندرونی بحث وتجیث کے بعد خیالات سب مرتب ہو چکے ہیں، معقول پیرایہ میں صرف مطمئن کردینے کی کسر ہے۔

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق منجملہ دوسرے شکوک کے میں نے یہ شک

بھی ان لوگوں میں پایا کہ ''انہوں نے اپنے آپ کو بہت پیش پیش رکھا ہے، یعنی اپنے متعلق بہت زور دیا ہے۔ جیسے کہ کلمہ طیبہ کا دوسرا جز''۔ میرا علم بالکل اس قابل نہیں کہ ایک لفظ بھی اس ضمن میں بول سکوں چہ جائیکہ مطمئن کرنا کسی کو بذریعہ دلیل و براہین، تاہم اعتراض سننے کے بعد دم بخود رہ جانا بھی مجھے بہت شاق تھا۔ جہاں تک ہوسکا میں نے اس اعتراض کو عقل ونقل سے رفع کیا، جس پر معترضہ نے خواہش ظاہر کی کہ ''اگر انگلینڈ سے مجھ میں اور تم میں اس موضوع پر خط وکتابت ہوتی رہی تو میں بہت خوش ہوں گی۔ اس سارے واقعہ کے لکھنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کس قدر تیار ہیں اصلاح خیالات کے لئے۔

بہرحال میں سیرت نبوی کی کمیٹی میں ایک ادنیٰ خدمت گذار کی عزت حاصل کرنا چاہتی ہوں، یکمشت چندہ کی تعداد تو اتنی ہے کہ افسوس میں اس سعادت میں حصہ نہیں لے سکتی لیکن ماہوار چندہ میں ضرور شرکت کرنی چاہتی ہوں۔ آپ قاعدہ کے موافق میرے نام سے ہر مہینہ وی پی رسید بھیج کر وصول فرمالیا کیجئے۔

میں تین روپئے ماہوار پیش کرنا چاہتی ہوں۔ ایک اپنی طرف سے اور دو روپئے اپنی دو نہایت عزیز رشتہ دار لڑکیوں کی طرف سے، جن کا گذشتہ سال انتقال ہو چکا ہے۔ مہربانی فرما کر حسب صراحت ذیل رجسٹر میں لکھ لئے جائیں۔

۱۔ حافظہ سلطانہ بیگم مرحومہ عہ/

۲۔ وقارالنساء بیگم مرحومہ عہ/

میر والدہ صاحبہ مکرمہ بھی اس مقدس کام میں شریک ہونا چاہتی ہیں لیکن بہت ہی قلیل یکمشت رقم سے، کیا کوئی حقیر چندہ بھی آپ قبول فرمالیں گے۔؟ (۲)

والسلام مع الاکرام

بنت نصیرالدین حیدر تیموریہ

حیدرآباد

[ماخذ: ماہنامہ الندوہ لکھنو، مئی ۱۹۱۲ء ص ۳-۴]

تعلیقات وحواشی

(۱) بنت نصیرالدین حیدر تیموریہ: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۲) علامہ شبلی نے سیرۃ النبی کی تالیف کا منصوبہ اوراس کے اخراجات کا جب اعلان کیا تو سب سے پہلے یہی بنت نصیرالدین حیدر تیموریہ نے اس پر لبیک کہا تھا مگر پھر فرماں روائے بھوپال بیگم سلطان جہاں نے سیرت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، علامہ شبلی نے اسی موقع پر یہ اشعار کہے تھے:

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہرصورت　　کہ ابرفیض سلطان جہاں بیگم زرافشاں ہے
رہی تصنیف وتالیف روایت ہائے تاریخی　　تو اس کے واسطے حاضر مرادل ہے میری جاں ہے

غرض اس کام کے انجام میں دو ہاتھ شامل ہیں
کہ جس میں اک فقیر بے نوا ہے ایک سلطان ہے

[۴۵]

سکریٹری والی رام پور(۱)

[۱]

جناب من!

قبل ازیں آپ نے تحریک فرمائی تھی کہ اعلی حضرت حضور پرنور دام اقبالہم (۲) آغاز ماہ اپریل میں بمقام لکھنؤ مجلس ندوۃ العلماء کی صدر نشینی قبول فرمائیں۔ ہز ہائینس بالقابہ کو عموماً تمام علمی، مذہبی تحریکوں اور خصوصاً ندوۃ العلماء سے بے حد ہمدردی ہے اور حضور پرنور نہایت مسرت کے ساتھ آپ کی یہ خواہش منظور فرماتے ہیں، مگر ۶، ۷، ۸/اپریل [۱۹۱۲ء] کو یہاں چند ضروری کام ایسے درپیش ہیں کہ ہز ہائینس کو ان تاریخوں میں فرصت نہیں ہوسکتی، اس لئے افسوس ہے کہ حضور محتشم اجلاس ندوہ میں بنفس نفیس شریک نہیں ہوسکتے۔ تاہم حضور پرنور نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ایک افتتاحی تقریر وہ مرحمت فرمائیں گے کہ اجلاس میں پڑھی جائے۔ حضور پرنور دام ملکہم کی دلی خواہش ہے کہ ندوۃ العلماء کا مرکز سلطنت برطانیہ اور ملک اور قوم کے لئے بابرکت ثابت ہو۔

سکریٹری

نواب صاحب والیٔ رام پور

[ماخذ: روداد جلسہ ندوۃ العلماء اپریل ۱۹۱۲ء ص ۴۰-۴۱]

تعلیقات وحواشی

(۱) تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۲) تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

[۲۶]

مسٹر جونس (۱)

[۱]

آپ شاید واقف ہوں گے کہ صوبہ متوسط اور برار کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے اور اس کی اسکیم مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے، مقامی حکومت کی طرف سے اس امید کا اظہار کیا گیا ہے کہ اعلاتعلیم سے دل چسپی رکھنے والے اصحاب اس کمیٹی کی امداد کریں گے۔''

مجھ کو آپ تک یہ اطلاع پہنچانے کی ہدایت دی گئی ہے کہ عربی اور فارسی کی تجاویز کے لیے ایک سب کمیٹی کی تشکیل ہوئی ہے اور غالباً اس کام کی تکمیل کے لیے آپ کی امداد اور مشورے کی ضرورت ہو، آپ سے امداد اس سے زیادہ نہیں لی جائے گی، کہ آپ بعض مسائل سے متعلق خطوط کا جواب دیں، ان مسائل کے متعلق آپ کی معلومات اور تجربے قیمتی ہوں گے، اس لیے میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اس قسم کی ضرورت پیش آئی تو کیا آپ خطوط پا کر جواب دینے پر رضامند ہوں گے۔

امید ہے کہ اس کا جواب ۵ دسمبر تک مرحمت فرمائیں گے۔''

جونس

۲۵راگست ۱۹۱۴ء

[ماخذ: حیات شبلی ص ۴۱۶]

تعلیقات وحواشی

(۱) مسٹر جونس ناگ پور میں تعلیمات کے ڈائرکٹر اور ناگ پور یونیورسٹی کی تعمیر وتشکیل کے لئے جو کمیٹی بنی تھی اس کے سکریٹری تھے۔اس زمانہ میں علی العموم عربی وفارسی کے نصاب تعلیم کے سلسلے میں علامہ شبلی سے مشورہ کیا جاتا تھا۔چنانچہ ناگ پور یونیورسٹی کے شعبہ عربی وفارسی کے سلسلے میں ان کے آراء و خیالات سے استفادے کے لئے یہ خط مسٹر جونس نے انہیں سرکاری طور پر لکھا تھا۔علامہ شبلی نے ۳۱ر اگست ۱۹۱۴ء کو اس کا جواب لکھا۔[حیات شبلی ص ۷۱۴] مگر اس کے بعد ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو تجاویز پیش کرنے کی حتمی تاریخ سے پہلے انہوں نے وفات پائی۔

تصویر حامد حسن نعمانی

ضمیمہ-۱

نامہ حالی

بنام حامد حسن نعمانی (۱)

[۱]

عزیزی و مشفقی سلمہم اللہ تعالیٰ

آج تک جو کچھ اخبارات کے حوالہ سے جناب مولانا [شبلی] کے حالات سنے گئے ہیں، ان سے کچھ تشفی نہیں ہوئی، اس لئے ناچار آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ میرا یہ خط مولانا کو دکھا کر اور جو کچھ وہ اپنا حال لکھوائیں اس کو قلم بند کر کے از راہ لطف میرے پاس بھیج دیں۔ (۲) نیز یہ بھی لکھیں کہ بمبئی کے ڈاکٹر رجب علی (۳) جو مولانا کو وہاں سے بلاتے ہیں وہاں جانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔

میں نے جب سے آنکھ بنوائی ہے، لکھنا پڑھنا اور خود اخبار وغیرہ کو دیکھنا تقریباً بالکل چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اب تک کوئی عینک بنی ہوئی آنکھ پر ٹھیک نہیں لگی اور ڈاکٹر کی تاکید ہے کہ جب تک عینک نہ لگے لکھنے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس لئے سوا اشد ضرورت کے خط نہیں لکھتا، یہی وجہ ہے کہ اب تک صرف اخبارات کے ذریعہ سے مولانا کے حالات سننے پر اکتفا کرتا رہا، لیکن چونکہ اخباروں کا بیان متناقض پایا گیا اس واسطے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔

بہت دن سے ارادہ کر رہا ہوں کہ میری پوتی یعنی غلام الثقلین کے اہلیہ جو لکھنؤ میں ہیں، اس سے ملنے کو لکھنؤ آؤں اور وہاں سے مولانا کے دیکھنے کو اعظم گڑھ آنے کا بھی قصد ہے مگر اب تک ایسے موانع پیش آتے رہے کہ یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکا۔ اگر لکھنؤ آنا ہوا تو اعظم گڑھ آنے سے

پہلے آپ کو اطلاع دوں گا۔ مولانا کی خدمت میں بصد حسرت دیدار و اشتیاق زیارت سلام و نیاز کہہ دیجئے گا۔ والسلام خیر ختام۔

خاکسار

الطاف حسین حالی

پانی پت۔ ۱۹۰۷ء

[ماخذ: ماہنامہ معارف فروری ۱۹۱۸ء، ص ۵۰]

تعلیقات و حواشی

(۱) علامہ شبلی کے اکلوتے صاحبزادے حامد حسن نعمانی [۱۸۸۰-۱۹۴۲ء] اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳ر نومبر ۱۸۹۹ء کو ایم اے جو کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں ایف، اے پاس کیا۔ پھر تحصیلداری کا امتحان پاس کر کے تحصیلدار ہوئے۔ پہلے دیوگاؤں میں تقرر ہوا، پھر جون پور تبادلہ ہوا۔ کچھ دن بستی اور گورکھپور میں بھی تعینات رہے۔ پولو کھیلنے کے بڑے شوقین تھے۔ گورکھپور میں ان کے نام سے ایک پولو گراؤنڈ منسوب ہے۔ ۲۰ر مارچ ۱۹۴۲ء کو جونپور میں وفات پائی۔ شبلی منزل میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ان کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ پانچ بیٹیاں ڈاکٹر نسیم جہاں [اہلیہ: جناب ڈاکٹر ظفر الہدی، موضع ہنگائی پور، لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی] شمیم جہاں [اہلیہ: احتشام صاحب، راجہ پور سکرور] تحسین جہاں [اہلیہ: جناب شوکت سلطان مرحوم، سابق پرنسپل شبلی کالج اعظم گڑھ] محسنہ سلطانہ [اہلیہ: جناب ڈاکٹر محبّ اللہ خاں، ایم، بی، بی، ایس، موضع دھورہ را، سابق سپرینٹنڈنٹ مہاتما گاندھی میڈیکل کالج راسپتال لکھنو] مومنہ خاتون [اہلیہ: سہیل سلطان صاحب، کراچی] نسیم جہاں مرحومہ سب سے بڑی تھیں، کرامت حسین کالج لکھنو اور گورکھپور سے تعلیم حاصل کی تھی، ایم، بی، بی، ایس کر کے ڈاکٹر بنیں۔ تقسیم پاکستان کے بعد بنگلہ دیش میں میڈیکل افسر رہیں۔ وہیں انتقال کیا، مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ نے سیرۃ النبی کا جو ڈیلکس ایڈیشن شائع کیا تھا، وہ انہی کے اثاثہ سے شائع ہوا تھا۔

حامد صاحب کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جو بچپن ہی میں فوت ہوا۔ علامہ شبلی کو اس سے

بڑی انسیت تھی۔

(۲) علامہ شبلی ۷؍مئی ۱۹۰۷ء کو شبلی منزل اعظم گڑھ میں شعرالعجم لکھنے میں مصروف تھے، قریب ہی حامد حسن صاحب کی بھری ہوئی بندوق رکھی ہوئی تھی، انہوں نے بہو بیگم سے اس کہیں اور رکھنے کو کہا انہوں نے اٹھایا ہی تھا کی یکا یک بندوق سر ہوگئی جس کی زد علامہ شبلی کے پاؤں پر پڑی اور وہ چور چور ہوگیا اور کاٹا گیا۔ اس حادثہ کی خبر اخبارات میں چھپی، مولانا حالی نے اسی سلسلے میں حامد حسن نعمانی کو یہ خط لکھا ہے۔

(۳) ڈاکٹر رجب علی: بمبئی کے ایک بڑے مشہور سرجن تھے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ممبئی میں ان کے نام سے ایک کالج اور ایک روڈ منسوب ہے۔ مولانا حالی کے اس خط سے معلوم ہوا کہ حادثہ پا کے بعد علاج کے لئے انہوں نے شبلی کو ممبئی بلایا تھا۔

ضمیمہ

مکاتیب مہدی

تصویر شیخ حبیب اللہ

شیخ حبیب اللہ

اعظم گڑھ میں تعلیم کے میدان میں جو انقلاب پیدا ہوا، اس کے بنیاد گذاروں میں ایک اہم نام علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل [م:۱۲/نومبر ۱۹۰۰ء] کا بھی ہے۔ وہ موضع بندول کے زمیندار تھے۔ ان کے جد اعلیٰ شیوراج سنگھ راجپوت تھے جو مشرف بہ اسلام ہو کر سراج الدین ہوئے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا دلچسپ واقعہ حیات شبلی اور تاریخ بندول میں درج ہے۔

شیخ حبیب اللہ ان کی دسویں پشت میں تھے۔ ان کے والد شیخ حسن علی اعظم گڑھ کلکٹری میں مختار تھے اور عربی و فارسی سے واقف بخوبی تھے۔ قانون پر بھی نظر تھی۔ ان کا انتقال [۲۷-۲۸] مئی ۱۸۹۰ء میں ہوا۔ سرسید کے نام علامہ شبلی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

''افسوس کہ جناب جد امجد نے بیاسی برس کی عمر میں تین چار دن ہوئے انتقال کیا۔ اگر چہ ان کی عمر پوری ہو چکی تھی لیکن چونکہ ان کی موت ناگہانی طور پر ایک صدمہ سے ہوئی اس لئے لوگوں کو نہایت رنج ہوا۔ ان کے تمام قویٰ درست تھے۔ میں نے رسالہ حسن [حیدر آباد] ان کو دیا تھا تو بغیر عینک کے پڑھ گئے۔ خدا مغفرت کرے۔'' [مکتوبات شبلی ص ۲۱]

شیخ حبیب اللہ نے ان کی زیر نگرانی ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی پڑھی اور اس میں بڑی مہارت پیدا کی۔ ان کے بلند فارسی مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے جس کا ذکر مولانا شبلی نے شعر العجم میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میری طالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت میں کسی نے کلیم کا یہ

شعر پڑھا:

سر بہ بستاں چوں دہد جلوہ یغمائی را
اول از سر و کند جامہ رعنائی را

والدمرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ میں نے کہا کپڑا اتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہیں۔اس لئے شاعر اگر کند کے بجائے کشد کہتا تو زیادہ فصیح ہوتا، جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں۔سب چپ ہو گئے۔والدمرحوم نے ذرا سوچ کر کہا کہ ''نہیں یہی لفظ [کند] شعر کی جان ہے۔شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں جب غارت گری کی شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اتار لیتا ہے،لباس اتارنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اتار کر رکھ دے یا اس کا نوکر اتارے۔دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اتروالئے جائیں یا نچوا لئے جائیں۔فارسی میں اس کے لئے دو مختلف لفظ ہیں۔جامہ کشیدن اور جامہ کندن۔چونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اتار لیتا ہے۔اس لئے یہاں جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزوں ہے۔تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بیساختہ تحسین کی۔'' [شعرالعجم ج۲ص۱۴۔طبع ہشتم ۱۹۸۶ء]

اس زمانہ میں عربی و فارسی کی تعلیم کے بعد وکالت کے لئے قانون کا امتحان دیا جاتا تھا۔چنانچہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے بھی قانون کا امتحان دے کر الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کی اجازت حاصل کی اور اعظم گڑھ میں وکالت شروع کی۔چونکہ شیخ صاحب بڑے ذہین شخص تھے،اس لئے وکالت نے بڑا فروغ پایا اور ان کا شمار اعظم گڑھ کے چوٹی کے وکلا میں ہوا۔اس سے انہوں نے دولت بھی کمائی اور عزت و شہرت بھی۔ان کی وجاہت یہ تھی کہ وہ عوام وخواص اور حکام سب میں یکساں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔۱۸۵۷ء کی پہلی جدوجہد آزادی کا بگل بجا تو اعظم گڑھ میں بھی اس کے شعلے بھڑکے،چنانچہ شیخ صاحب نے سگڑی تحصیل میں امن و امان قائم

رکھنے میں حکام کی مدد کی۔ کئی برس تک وہ اعظم گڑھ میونسپلٹی کے آنریری سکریٹری بھی رہے۔

اس وقت اعظم گڑھ اور قرب وجوار کے رؤسا کا ایک مشغلہ نیل اور شکر کی تجارت بھی تھا چنانچہ دولت ہاتھ آئی تو شیخ صاحب نے جگہ جگہ نیل کے گودام اور شکر کے کارخانے ڈالے، اس تجارت کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور شیخ صاحب نے اس سے زمینیں خرید کر اپنی زمیں داری کو بھی بڑھایا۔ دیوارا کا پورا علاقہ شیخ صاحب ہی نے خریدا تھا۔

مزاجاً وہ سلجھے ہوئے، سنجیدہ، دلیر، فیاض اور بڑے باوقار شخص تھے۔ ان کی فیاضی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی آمدنی سے جو زمینیں اور علاقے خریدے وہ اپنے تینوں بھائیوں، شیخ مجیب اللہ، شیخ عجیب اللہ اور شیخ نجیب اللہ کے نام سے خریدے اور سب کو یکساں تقسیم کئے۔

وہ اعظم گڑھ کے پہلے شخص تھے جنہوں نے اعظم گڑھ میں عربی مدرسہ قائم کیا۔ بانی جامعۃ الرشاد حضرۃ الاستاذ مولانا مجیب اللہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ میں نے جامعۃ الرشاد قائم کر کے شیخ حبیب اللہ کے سلسلہ کو آگے بڑھایا ہے۔

مدرسہ عربیہ میں انہوں نے مولوی فیض اللہ مئویؒ [م: ۱۳/ربیع الاول ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۸ء] کو مدرس اول مقرر کیا۔ اس مدرسہ کے اگر پہلے استاذ مولانا فیض اللہ مئوی تھے تو پہلے طالب علم علامہ شبلی۔ ان کے بعد شیخ صاحب نے اپنے دوست مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی [۲۸/اکتوبر ۱۹۰۹ء] کو استاذ مقرر کیا۔ علامہ شبلی نے ان سے یہیں درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ خود انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میری تمام تر علمی کائنات مولانا فاروق چریاکوٹی کے افادات ہیں۔ اور دراصل مولانا فاروق چریاکوٹی ہی اس مدرسہ کی شہرت کا سبب بنے اور دور دراز سے طلبہ نے آکر اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

ڈاکٹر مختار انصاری کے بڑے بھائی حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا [۱۸۵۴-۱۹۴۱ء] جو عرف عام میں حکیم نابینا کے نام سے معروف تھے۔ انہوں نے بقول مولانا سید سلیمان ندوی اسی مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی تھی، پھر دیو بند گئے۔ یہ موضع یوسف پور محمد آباد ضلع غازی

پور کے رہنے والے بڑے عالم فاضل اور متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور اطباء میں ہوتا ہے۔ وہ برسوں حیدرآباد میں رہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مدرسہ چشمۂ رحمت کے ہوتے ہوئے اس مدرسہ نے کتنی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ان کے علاوہ اس مدرسہ کے کسی اور فیض یافتہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

یہ مدرسہ موجودہ ایس. کے. پی. انٹر کالج کی پشت پر واقع تھا۔ جہاں ابھی حال تک اس کے آثار تھے۔ اس سے ملحق ایک ویران مسجد بھی ہے۔ یہ مدرسہ علامہ شبلی کی زندگی میں ختم ہو گیا تھا۔

اقبال احمد خاں سہیل کی روایت کے مطابق مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:

''مولانا مرحوم آخر عمر تک جب کبھی اعظم گڑھ لاتے تو اکثر اس موقع پر تشریف لے جاتے اور تاثر کی جو کیفیت اس وقت مولانا (شبلی) پر ہوتی، وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، زبان قلم اس کی صحیح مصوری سے عاجز ہے۔ ایک مرتبہ وہ بھی ساتھ تھے۔ شام کا وقت تھا اور غالبًا جنوری یا فروری کا مہینہ، سرسبز شاداب کھیت لہلہا رہے تھے۔ بہار کا ولولہ انگیز موسم، شام کا سہانا وقت، کھیتوں کی طراوت بخش، ہریالی ایک ایسا روح پرور سماں تھا کہ مغموم سے مغموم دل بھی تھوڑی دیر کے لئے باغ باغ ہو جاتا مگر مولانا تھے کہ چلتے چلتے دفعتاً ایک کھیت کی مینڈ پر رک گئے، آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے اور اپنے دلگداز لہجہ میں یہ اشعار ترنم فرماتے رہے:

جائیکہ بود آں دلستاں در بوستاں با دوستاں
شد زاغ و کرگس را مکاں شد مرغ و ماہی را وطن

از فریاد خرگہی ایواں ہمی بینم تہی
و زقذ آں سر دسہی خالی ہمی بینم چمن

بر جائے بطل و جام مے گوراں نہا دستند پے

بر جائے چنگ ونائے ونے آواز زاغ است وزغن

جب ذرا سکون ہوا تو ارشاد فرمایا میری نگاہوں میں وہ سماں پھر رہا ہے جب اسی مقام پر مولانا فاروق مرحوم شرح مؤطا کا درس دیا کرتے تھے۔ آج یہ عالم ہے کہ درو دیوار کے نشاں تک باقی نہیں رہے۔ قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزل۔

[حیات شبلی ص ۹۳-۹۴، طبع جدید ۲۰۰۸ء]

مدرسہ اسلامیہ عربیہ اعظم گڑھ کی مزید تاریخ معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ کب تک قائم رہا۔ مولانا فاروق چریا کوٹی کے بعد کون کون مدرس ہوئے اور کن لوگوں نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ لیکن بہرحال یہ شیخ حبیب اللہ صاحب کا ایک بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے اس دور [قبل ۱۸۷۴ء] میں ایک دینی درس گاہ قائم کی۔

یہی نہیں شیخ صاحب نے ملی، سماجی اور رفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۸۷۷ء میں جب روس نے ٹرکی پر حملہ کیا تھا جس نے ساری دنیا کے مسلمانوں میں اک آگ سی لگادی تھی اور جگہ جگہ ترکوں کی حمایت میں جلسے جلوس اور تعاون کے لئے چندے ہو رہے تھے، اعظم گڑھ میں بھی اس کا بڑا زور تھا۔ اس کے لئے اعظم گڑھ میں جو کمیٹی بنی تھی علامہ شبلی اس کے سکریٹری مقرر ہوئے تھے اور تین ہزار کا چندہ جمع کر کے قسطنطنیہ بھیجا تھا۔ اس کمیٹی کے ایک رکن شیخ حبیب اللہ بھی تھے۔ اس میں انہوں نے پیسے سے بھی تعاون کیا۔

۱۱ر جولائی ۱۸۷۴ء کو سر سید احمد خاں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے چندہ کے لئے اعظم گڑھ تشریف لائے۔ چنانچہ مشن اسکول میں معززین شہر جمع ہوئے اور راجہ سلامت خاں [م: ۱۹۱۲ء] کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں متعدد ممتاز اور بااثر اشخاص شریک ہوئے۔ جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:

شیخ محمد سلیم پھریہا، محمد شیر خاں، منشی طالع یار خاں، منشی عبدالرحمٰن خاں، منشی علی حسین خاں، منشی غلام حسین خاں، منشی گوہر علی، مولوی سید محمد، حاجی محمد ہدایت اللہ وغیرہ۔ شیخ حبیب اللہ

صاحب بھی اس جلسہ میں شریک ہوئے۔

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ توبۃ النصوح والے ڈپٹی نذیر احمد دہلوی[۱۸۳۶-۱۹۱۲ء] ایک عرصہ تک اعظم گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر محکمہ بندوبست تھے۔وہ بھی مشن اسکول کی تقریب میں روح رواں کی حیثیت سے شریک رہے اور سرسید کو چار سو روپئے چندہ دیا۔

[اردو ادب،علی گڑھ شمارہ نمبر ا،۱۹۷۰ء ص ۱۱۰-۱۱۱]

اسی طرح بعد میں جب سرسید نے علامہ شبلی کے ذریعہ کالج میں تعلیمی کانگریس کے تعاون کے لئے اعظم گڑھ میں کمیٹی بنوائی تو اس کے ایک رکن شیخ صاحب بھی تھے۔اور اس کی فیس رکنیت بھی ادا کی تھی جسے خود علامہ شبلی نے علی گڑھ پہنچایا۔[مکتوبات شبلی ص ۲۰-۲۱]

۱۸۹۳ء میں گائے کی قربانی کو لے کر اعظم گڑھ میں فرقہ وارانہ فساد ہوا تو شیخ حبیب اللہ نے حکام کو ساتھ لے کر فساد زدہ علاقوں میں امن وامان قائم کرایا۔یہی وجہ ہے کہ اعظم گڑھ کے انگریز حکام بھی ان کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

۱۸۹۴ء میں شہر اعظم گڑھ میں ایک بڑا سیلاب آیا جس سے شہر کے باشندوں کو بڑا نقصان پہنچا اور شہر خطرے میں آ گیا۔حکام نے شہر اور دریا کے درمیان ایک بند باندھنے کا فیصلہ کیا تو شیخ صاحب نے یہ بند بندھوانے میں حکام کی بڑی مدد کی۔یہ بند ۱۹۵۵ء تک شہر کو سیلاب سے بچاتا رہا مگر ۱۹۵۵ء کے سیلاب میں یہ بند ٹوٹ گیا اور سیلاب نے بڑی تباہی مچائی۔موجودہ بند اسی زمانہ کا ہے۔

شیخ حبیب اللہ کی شادی موضع پھریہا کے ایک زمیندار اور وکیل حاجی قربان علی قنبر انصاری کی صاحبزادی قائمہ بی بی سے ہوئی تھی۔یہ بڑی نیک،دین دار،تہجد گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ان سے شیخ صاحب کے چار بیٹے محمد شبلی،محمد مہدی،محمد اسحاق اور محمد جنید پیدا ہوئے۔ قائمہ بی بی کی زندگی ہی میں شیخ صاحب نے غیر کفو میں دوسری شادی کر لی تھی۔یہ دوسری بیوی باغ لکھراؤں کی رہنے والی تھیں۔باغ لکھراؤں جو شہر کے مغرب میں دریائے ٹونس کے قریب واقع ہے،شیخ صاحب کی زمینداری میں تھا۔شیخ صاحب نے انہیں گھر کے بجائے چھاؤنی پر رکھا

تھا۔ یہ چھاؤنی شہر اعظم گڑھ کے محلّہ پہاڑ پور میں واقع ایک عالی شان مکان تھا جو حال تک واقع تھا۔ راقم نے بھی اسے دیکھا ہے۔ مولانا شبلی نے اپنے قدیم احباب کے نام خطوط میں جہاں چھاؤنی کا لفظ استعمال کیا ہے، ان سے یہی دوسری والدہ مراد ہیں۔ شیخ حبیب اللہ صاحب دوسری بیوی پر اس قدر فریفتہ تھے کہ اپنی تمام زمین جائیداد ان کے نام کر دی تھی۔ اس وجہ سے ان کے خانوادے میں اختلاف پیدا ہوا۔ لیکن یہ خاتون بڑی مہذب اور سنجیدہ تھیں۔ شیخ صاحب کی وفات کے بعد انہوں نے قائمہ بی بی کے بچوں کے ساتھ بڑا احسن سلوک کیا۔ اپنے حصہ [باغ لکھراؤں] کے سوا تمام جائیداد ان کے نام کر دی۔ یہاں تک کہ شیخ صاحب نے جو قرض چھوڑا تھا اس کے ادا کرنے میں بھی حصہ لیا۔

ان سے ایک بیٹے محمد پیدا ہوئے، جنہوں نے اعلیٰ تعلیم پائی اور ڈپٹی کلکٹر ہوئے۔ مگر جس دن کامیابی کی اطلاع آئی اسی دن انتقال کیا۔ ان کے بھی ایک بیٹا مظفر تھا، جس کا ذکر علامہ شبلی نے مرثیہ شیخ حبیب اللہ میں کیا ہے۔

شیخ صاحب کی دوسری شادی اور بے التفاتی کی وجہ سے قائمہ بی بی سخت کبیدہ خاطر اور ناراض رہا کرتی تھیں اور بالآخر اسی غم میں ۱۸۸۶ء میں وفات پائی۔ اس واقعہ نے علامہ شبلی پر بہت اثر ڈالا۔ جب بھی کسی کی والدہ کے انتقال کی خبر سنتے انہیں اپنی والدہ یاد آ جاتیں اور وہ تڑپ جاتے۔ ان کے کئی خطوط میں اس طرح کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۸۹۸ء میں ان کی یاد میں صدر المنازل کے نام سے اپنے قائم کردہ نیشنل اسکول میں ایک عمارت تعمیر کی جو اب شبلی نیشنل پی۔ جی۔ کالج کا ایک خوبصورت ہال ہے۔

شیخ صاحب مذہبی آدمی تھے۔ تصوف کے ذوق آشنا بھی تھے۔ مولوی محمد کامل ولید پوریؒ کے خلیفہ الٰہی شاہ [ساکن صبر حد ضلع جون پور] کے مرید تھے۔ ان کے بیٹوں کے نام شبلی وجنید سے بھی ان کے اس ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن پھر سرسید تحریک کے زیر اثر جدید تعلیم کی طرف راغب ہوئے اور بچوں کو انگریزی تعلیم دلائی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ایم، اے، او کالج علی گڑھ کالج میں داخل کرایا۔ مہدی حسن لندن جا کر بیرسٹر ہوئے۔ محمد اسحاق ہائی کورٹ الہ آباد کے نامور وکیل

اور چھوٹے بیٹے محمد جنید سب جج کان پور مقرر ہوئے۔شبلی کے بعد شیخ صاحب کے تینوں بیٹوں نے جدید تعلیم حاصل کی اور بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔مگر جو عزت وشہرت دینی تعلیم کی بدولت شبلی کو ملی اوران کے ذریعہ سے شیخ صاحب کو وہ جدید تعلیم سے بہرہ مندوں کے نصیب میں نہ آسکی۔

سرسید کے وہ بڑے معتقد تھے۔سرسید جب غازی پور میں مقیم اورسائنٹی فک سوسائٹی کے قیام کے لئے کوشاں تھےاس زمانہ میں شیخ صاحب ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔علی گڑھ کا بھی انہوں نے کئی سفر کیا اور سرسید سے ملے۔ایک ملاقات کی روداد علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپی ہے:

''چندروز ہوئے کہ ہمارے مدرسۃ العلوم میں جناب شیخ حبیب اللہ مع اپنے فرزندار جمند،ادیب اریب ذوالنجد والفضل جناب مولوی محمد شبلی صاحب کے علی گڑھ میں تشریف لائے اور چندروز مدرسۃ العلوم میں مقیم رہے۔ان کے دوسرے فرزند سعید مہدی حسن صاحب مدرسۃ العلوم میں پڑھتے ہیں اور بالفعل انٹرنس کلاس میں شامل ہیں،ہم کونہایت خوشی ہے کہ دونوں باپ بیٹوں نے مدرسۃ العلوم کواورطریق معاشرت طلبہ کوحد سے زیادہ پسند فرمایا۔''

علی گڑھ کالج کی عمارتوں کی تعمیر میں بھی شیخ صاحب نے حصہ لیااوراس زمانہ میں ۱۲۵/ روپئے کالج کودئے۔اسی طرح ۱۸۸۱ء میں وقارالملک کی زیرقیادت سرسید کے احباب واعزہ نے سرسید کی یادگار قائم کرنی چاہی توانہوں نے پچاس روپئے دے کراس میں حصہ لیا۔

سرسید کے بیٹے سید محمود جب الہ آباد ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے توان کی تقرری پر خوشی کا اظہار کرنے اورمبارک باد دینے کے لئے ۳۱/جولائی ۱۸۸۲ء کواعظم گڑھ میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس میں سرائے میر،محمد آباد اور مبارک پور وغیرہ کے بااثر اورممتاز اشخاص نے شرکت کی تھی۔اس تقریب میں شیخ صاحب بھی شریک تھے۔

[کانفرنس گزٹ،علی گڑھ،اکتوبر ۲۰۱۱ء]

یہ ایک دلچسپ بات ہوگی کہ علامہ شبلی سیاسی معاملات میں سرسید کے حامی نہیں رہے مگر

ان کے والد شیخ حبیب اللہ سرسید کی یونائیٹیڈ انڈین پیریاٹک سوسائٹی کے رکن رہے۔ وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی رکن تھے۔کانفرنس نے ۱۸۹۲ء میں پنجاب، بہار اوراودھ وغیرہ میں اپنے کرسپانڈنگ رکن نامزد کئے تو اعظم گڑھ میں انہیں کانفرنس کا کرسپانڈنگ رکن نامزد کیا گیا۔

[تہذیب الاخلاق مشاہیر علی گڑھ حصہ چہارم ص۲۷۴]

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ ان کا مذاق شعروادب بڑا پختہ تھا۔متعدد شعرا سے ان کے روابط تھے۔ان کا ایک مکان جو شہر اعظم گڑھ کے محلّہ چوک سے متصل تھا، وہاں اکثر شعروادب کی محفلیں منعقد ہوتیں۔مصرعہ طرح دیا جاتا اور طبع آزمائی ہوتی۔ جون پور کے ایک شاعر عابد حسین عابد جون پوری کے غیر مطبوعہ دیوان کی متعدد غزلوں پر ''برمکان شیخ حبیب اللہ وکیل'' لکھا ہوا ہے۔ایک غزل کے سامنے ''مولانا شبلی کے مکان پر'' لکھا ہوا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرب وجوار کے شعراء بھی ان نشستوں میں شریک ہوتے تھے۔

شیخ صاحب نے ۱۲؍نومبر ۱۹۰۰ء کو وفات پائی۔مولانا شبلی نے فارسی میں ان کا بڑا دلدوز مرثیہ لکھا ہے۔جو کلیات میں شامل ہے۔ان کی قبر موضع بندول میں آبائی قبرستان میں ہے۔ جہاں ان کے خانوادے کے دیگر افراد بھی مدفون ہیں۔یہیں علامہ شبلی کی دونوں بیٹیاں فاطمہ و رابعہ کی بھی قبریں ہیں۔البتہ علامہ شبلی اور حامد نعمانی کے مزار شبلی منزل میں ہیں۔یہیں چند قدم ہٹ کر علامہ شبلی کا وہ پاؤں جو گولی لگنے سے کاٹ دیا گیا تھا زمین دوز ہے۔

تصویر شیخ مہدی حسن بیرسٹر

مہدی حسن بیرسٹر

اوران کے مکاتیب لندن

نہ صرف خانوادہ شبلی، بندول، بلکہ اعظم گڑھ کے ممتاز اشخاص میں ایک اہم نام محمد مہدی حسن بیرسٹر [م:۲۹/جون ۱۸۹۷ء] کا بھی ہے۔ وہ علامہ شبلی کے چھوٹے بھائی تھے اور اس خطہ اعظم گڑھ کے پہلے بیرسٹر تھے۔

شبلی کی مذہبی تعلیم وتربیت کے بعد ان کے والد شیخ حبیب اللہ سرسید تحریک کے زیر اثر جدید تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دوسرے بیٹوں مہدی حسن، محمد اسحاق اور محمد جنید کو انگریزی تعلیم دلائی۔

محمد مہدی حسن ان کے دوسرے بیٹے تھے۔ ان کی تعلیم کا آغاز بھی مذہبی نہج پر ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے عربی و فارسی پڑھی پھر قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد ان کی انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ابتدائی انگریزی تعلیم انہوں نے اعظم گڑھ کے کس اسکول میں حاصل کی اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ ۱۸۷۹ء میں وہ علامہ شبلی کے ساتھ وکالت کے امتحان میں شریک ہوکر کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد وہ ایم، اے، او کالج علی گڑھ میں داخل کئے گئے۔ یہاں سے انہوں نے ۱۸۸۱ء میں انٹرنس اور ۱۸۸۴ء میں ایف، اے پاس کیا۔ یہ ایم، اے، او کالج کے بالکل ابتدائی زمانہ کے طالب علم تھے۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی علامہ شبلی نعمانی علی گڑھ میں عربی و فارسی کے نئے نئے پروفیسر ہوئے تھے۔ ان کے کامیاب ہونے کی خوش خبری دیتے ہوئے انہوں نے

فرحت احمد کو لکھا کہ:

''مبارک، سپاس ایزد کہ برادر شما عزیزی مہدی حسن در ایف.اے کامیاب نشست اے خوش آنکہ علی گڑھ رسم تو از پیش رسیدہ باشی و چوں از آمدنم آگہی اندوز شوی دوان سوئے من آئی واز جوش طرب حرف مبارک باد، برلبت گرہ گردد، لبے بہ تبسم واکنی بآواز گوئی کہ برادر مہدی حسن فال ظفر بنام خود یافت و پس ازاں دوسہ گامے تیز تر آئی و بمن درآویزی و گوئی کہ ہلہ! ہاں! شیرینی کجا ست ومن گویم کہ درلب تو، باز انجمنے از یاران فراہم آید و ہر یک گفتگو باز کند و گپے زندہ یارب ہمچنیں باد، بار دیگر مبارک باد۔

ایں نامہ را نزد خود نگاہ باید داشت۔ کمترین ہواخواہان

شبلی نعمانی ۲۳/ جون ۱۸۸۴ء''

[ماخذ: مکاتیب شبلی جلد دوم ۲۰۱۲ء۔ ص ۲۲۵]

اس کے بعد اپریل ۱۸۸۵ء میں مہدی حسن نے بیرسٹری کے لئے لندن کا رخ کیا۔ یہ خطہ اعظم گڑھ کا شاید پہلا واقعہ تھا کہ کوئی شخص اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک جائے، چنانچہ اس خوشی کے موقع پر ان کے والد شیخ حبیب اللہ نے اعظم گڑھ میں ایک تقریب کی، جس میں معززین شہر اور روسائے اعظم گڑھ نے شرکت کی۔ علامہ شبلی علی گڑھ سے آکر اس تقریب میں شریک ہوئے اور ایک دعائیہ نظم پیش کی جس کا آخری مصرعہ یہ تھا:

بہ سلامت روی و باز آئی

اقبال احمد خاں سہیل [م: ۱۹۵۵ء] کو جو بے مثال قوت حافظہ کے مالک تھے، اس نظم کے دو اشعار یاد تھے:

خار در دیدۂ وعدہ شکنی
حاسداں را جگر گداز آئی
ما بہ نادیدہ دور ہست باشیم

کہ تو ناگہ زدر فراز آئی

مہدی حسن لندن میں ساڑھے تین سال رہے۔اور وہاں سے پہلے بیرسٹری [بار ایٹ لا] پھر کیمبرج سے بی.اے. کیا۔انہوں نے ایک خط میں اپنے تعلیمی عزائم کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

میرا منشاء محض بارسٹری کی سند حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ پورے طور پر مقنن اور قانون داں ہونا ہے۔کیمبرج کا امتحان البتہ مشکل ہے اور وہاں قانون کی ڈگری میں آنر لینا آسان نہیں ہے، مگر اللہ سے امید ہے کہ مجھ کو کیمبرج کا بی، اے۔ایل،ایل، بی دونوں ملے گا۔بعدازاں مجھ کو تین برس میں ہندوستان بیٹھے بیٹھے ایم،اے اور ایل،ایل، ایم۔کی ڈگری مل جائے گی۔اور اس کے پانچ برس بعد انشاء اللہ ایل،ایل،ڈی ہو جاؤں گا اور ڈاکٹر [یعنی حکیم علوم] کا خطاب ملے گا۔ولایت میں ایم،اے وغیرہ کا امتحان نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص جو بی،اے ہوتا ہے تین سال کے بعد ایم،اے ہو جاتا ہے۔''

مہدی حسن کا یہ تعلیمی سفر کسی وظیفہ کے تحت نہیں بلکہ یہ شیخ حبیب اللہ کی عالی حوصلگی کا نتیجہ تھا۔چنانچہ اس سفر کے تمام اخراجات انہوں نے خود برداشت کئے، یہاں تک کہ مقروض بھی ہو گئے۔مہدی حسن کو ان تمام باتوں کا احساس تھا۔ایک خط میں لکھا ہے کہ:

''اے میرے باپ!

میری بڑی تمنا یہ ہے کہ خدائے پاک مجھ کو اس قابل کر دے کہ میں آپ کو مکروہات زمانہ کی تکالیف سے سبکدوش کر سکوں۔میرے لئے عید کا دن وہ ہوگا جب میں آپ کو فارغ البال دیکھوں گا اور جب اس قابل ہوں گا کہ آپ سے یہ کہہ سکوں کہ''اے میرے پیارے باپ اب آپ کام نہ کیجئے۔آپ کا بیٹا مہدی سب کچھ کرے گا،اب آرام کیجئے۔''............والد صاحب علاوہ اس مہر پدری کے جو باپ کو بیٹے کی طرف ہمیشہ ہوتی ہے۔آپ نے میرے ساتھ ایک

خاص محبت رکھی ہے اور جو محنت اور خرچ آپ نے میری عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے بارہ میں برداشت کیا ہے اس کی نظیر کم مل سکتی ہے، یہ صرف آپ کے عمدہ خیالات اور مجھ کو اعلیٰ تعلیم دینے کا اثر ہے کہ میں حافظ ہوا۔ میں نے فارسی پڑھی، میں نے عربی پڑھی، میں نے انگریزی میں علوم حاصل کیے اور بارسٹر ہوں............اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ باتیں مہدی کو کیونکر حاصل ہیں تو اس کا مختصراً جواب بجز اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ مہدی کے پیارے باپ نے اس کی تعلیم عمدہ طور پر انجام دی۔

والد صاحب! مبارک ہے وہ باپ جو اپنے بیٹے کو ایسی تعلیم دے اور مبارک ہے وہ بیٹا جو اپنے ایسے باپ پر فخر کرے۔اے اللہ اب مجھ کو اس قابل کر کہ میں اپنے پیارے باپ کی خدمت پورے طور پر کرسکوں اور اپنا فرض ادا کروں۔''

مہدی حسن ۸/اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بی،اے آکسن اور بارایٹ لا کی سند لے کر وطن واپس آئے۔ان کے استقبال کے لئے شیخ حبیب اللہ نے اعظم گڑھ میں اپنے مکان پر ایک جشن منعقد کیا۔یہ جشن سات روز تک جاری رہا اور سات روز تک مسلسل دعوتوں کا سلسلے رہا۔تمام عمائدین شہر و عہدہ داران، حکام اور وکلا وغیرہ شریک ہوئے۔علامہ شبلیؔ علی گڑھ سے آکر شریک مسرت ہوئے اور استقبالیہ نظم پڑھی، جس کی ردیف آمدہ تھی، یہ نظم اب کہیں دستیاب نہیں ہے۔علامہ شبلی نے دیوان شائع کرتے وقت اسے مولوی محمد سمیع سے مانگا تھا، غالبًا وہ دستیاب نہ کرا سکے۔

مہدی کی آمد کی خوشی میں شیخ حبیب اللہ نے بندول میں ایک شاندار کوٹھی تعمیر کرائی جو خستہ حالت میں اب بھی موجود ہے اور تعمیر کرنے والوں کے عزم و حوصلہ کی داستان سنا رہی ہے۔

مہدی حسن بیرسٹر کی صحت لندن ہی میں خراب ہوگئی تھی جو وطن آکر بھی بحال نہ ہوسکی۔ مجبوراً انہوں نے اپنے مرتبے سے اتر کر جنوری ۱۸۹۲ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں منصفی کا عہدہ قبول کرلیا۔ پانچ برس چھ ماہ اس منصب پر فائز رہے۔علالت دن بہ دن بڑھتی گئی۔ بالآخر اسی بیماری میں ۲۹/جون ۱۸۹۷ء کو اعظم گڑھ میں وفات پائی۔اس حادثہ پر علامہ شبلیؔ کس طرح ٹوٹ کر

روئے ہیں، انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''لو بھائی ہم میں ایک عنصر کم ہوگیا، عزیزی مہدی نے جان دی اور کس حالت کے ساتھ کہ کلیجے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ میں بدبخت پاس تھا اور اس لیے جتنے تیر پھینکے سب میرے ہی جگر پر لگے۔ ہائے اس کی جواں مرگی، ہائے کیا معلوم تھا کہ وہ اس قدر جلد دنیا سے چلا جائے گا، ورنہ مجھ پر لعنت اگر میں اس سے ناراض رہتا۔ ہائے سب برائیوں پر وہ سب سے اچھا تھا، آج چوتھا دن ہے لیکن خدا کی قسم اس وقت تک دل نہیں ٹھہرتا، سو بار رو چکا ہوں اور دل نہیں ٹھہرتا، اس کی ایک محبوب یادگار ہے جسے وہ بین کہتا تھا یعنی شافیہ اس سے بارہا لپٹ کر رویا ہوں لیکن کچھ بھی تو تسلی نہیں ہوتی، اس کو تسلی دینا چاہتا ہوں لیکن خود بے قرار ہو جاتا ہوں، ایک اور اس کے نام سے وابستہ بدقسمت ہے جو پہلے چھوٹی بھاوج تھی لیکن اب پیاری بہن ہے۔ تم لوگ مزے سے باہر ہو، یاں آفت زدوں کو سنبھالنا میرے سر چھوڑا ہے، ہائے مہدی وائے مہدی۔ بدبخت ازلی۔

شبلی''

[مکاتیب شبلی جلد اول ص۹۹-۱۰۰]

مہدی حسن کی شادی گاؤں ہی میں ہوئی تھی۔ ان کی بیوی کا نام عالیہ تھا۔ مکاتیب شبلی میں ان کا ذکر آیا ہے۔ مہدی کے انتقال کے بعد علامہ شبلی ان کے اخراجات کے لئے ایک رقم بھیجتے تھے۔ مہدی حسن کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ صرف ایک بیٹی شافیہ تھی جو ان کے ماموں زاد بھائی حاجی شیخ محمد صاحب پھریہا سے بیاہی تھیں۔ ۱۹۲۷ء میں وہ بھی مکہ میں راہی ملک عدم ہوئیں۔ ان کے بھی کوئی اولاد نہیں تھی۔

مہدی حسن بڑے ذہین، طباع اور غیر معمولی شخص تھے۔ افسوس کہ ان کی کم عمری کی موت نے ملک کو ایک ماہر قانون داں، ایک ادیب اور ایک انشاپرداز کی انشاپردازیوں سے محروم کردیا، تاہم زمانہ تحصیل میں لندن سے انہوں نے اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ مجیب اللہ اور

برادر اکبر علامہ شبلی کو جو خطوط لکھے، جس میں وہاں کے حالات، طرز معاشرت اور علم اور وقت کی قدر وغیرہ وگوناگوں واقعات وموضوعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس سے اس دور کے لندن بلکہ یورپ کا ایک منظر نامہ سامنے آجاتا ہے۔ مثلاً لندن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اگر آپ یہ چاہیں کہ ہم اعلی درجہ کی شائستگی، اخلاق، محبت، انسانیت، صفائی، امارت، حسن، علم، دولت تمام خوبیوں کو اونچے ٹیلے سے دیکھیں تو وہ بلند مقام اسی لندن میں مل سکتا ہے۔ اگر آپ کو یہ منظور ہے کہ بدمعاشی، بدچلنی، قزاقی، دغا بازی، دنیا بھر کی برائیوں کو شکل مجسم میں معائنہ کریں تو وہ لندن ہی کی سڑکوں پر ممکن ہے۔'' [مکتوب بنام شبلی۔۵/جون ۱۸۸۵ء]

یہ تمام خطوط انہوں نے بڑے دلچسپ انداز میں اور بے ساختہ لکھے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش بڑا پر کشش اور دلفریب ہے۔ ڈاکٹر ابن فرید نے صحیح لکھا ہے کہ:

''جہاں وہ گل افشانی پر اتر آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شوخ وسنگ پہاڑی ندی ہے جو اردو کی ناتراشیدہ چٹانوں کے درمیان اچھلتی، کودتی، بھاگتی، مڑتی، بل کھاتی چلی جارہی ہے۔'' [ادیب علی گڑھ۔ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۹]

ڈاکٹر ابن فرید نے مہدی حسن کے تمام [۶۲] خطوط کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ اسے شائع ہونا چاہئے۔ اس غرض سے انہوں نے ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ:

''اگر اس کی اشاعت کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے تو غالب اور شبلی کے بین بین کا ایک منفرد اسلوب کا مالک مکتوب نگار منظر عام پر آجائے جو لندن سے بیٹھ کر خط لکھتا ہے اور لاشعوری طور پر انگریزی فقروں، محاوروں اور بول چال کے جملوں کو اردو میں ڈھالتا چلا جاتا ہے۔''

[ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء، ص ۸]

ڈاکٹر ابن فرید نے مہدی حسن کے خطوط کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور قدرے تفصیل سے اس کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ:

''مہدی کے خطوط میں ایک والہانہ پن ہے، شوخی اور بے تکلفی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا کہ ان کے خطوط میں علامہ شبلی کا اسلوب جھلکتا ہے۔ معلوم نہیں یہ اسلوب انہوں نے علامہ سے اخذ کیا ہے یا علامہ نے اپنے خاندان کے انگریزی داں رشتہ داروں سے اخذ کیا ہے، حجاب اور پردہ داری کا انداز مہدی کے یہاں نہیں پایا جاتا، وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں یا تجربہ کرتے ہیں وہ بے کم و کاست اپنے باپ کو بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ شبلی کے خاندان کی صفت ہے۔ علامہ شبلی کے لئے بھی یہی لطفِ بیان رسوائی کا باعث ہوا اور مہدی کے لئے بھی۔ اس کی جڑیں ہمیں ان دونوں کے والد شیخ حبیب اللہ کے یہاں ملتی ہیں۔ ان کو جب مہدی کے خطوط ملتے تھے تو وہ اپنے حلقۂ احباب میں سناتے تھے جن پر حاشیہ آرائیاں ہونے لگیں اور شبلی کو مہدی کی یہ بدنامی ناگوار گذری، چنانچہ انہوں نے اس کا اظہار اپنے ایک عزیز مولوی محمد سمیع کے خط میں کیا، اور ان کو ہدایت کی کہ وہ مہدی کو اس سلسلے میں احتیاط کی تاکید کریں۔ [مکاتیب شبلی ج ا ص ۹۵] لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ علامہ نے خود کبھی احتیاط نہ کی۔ محمد مہدی کے خطوط سے ان کی بعض غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً زیادہ تر وہ پیراگراف اس طرح شروع کرتے ہیں جیسے کوئی مقرر سامعین کو خطاب کر رہا ہو۔ جزئیات نگاری میں ان کو کمال حاصل ہے۔ لطفِ بیان کے لئے لطیفے یا شگوفے بھی چھوڑتے چلتے ہیں۔ اپنی قابلیت اور ذہانت کا انہیں غیر معمولی طور پر احساس ہے، چنانچہ اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں، خود محظوظ ہوتے ہیں اور مکتوب الیہ کی تصدیق کے بھی متمنی رہتے ہیں۔ مگر جب ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی مدح سرائی خود کر رہے ہیں تو اس کی تاویل بھی کرتے ہیں۔ وفورِ جذبات سے ان کا ہر خط مملو رہتا ہے۔ لندن اور یورپ کا ماحول، عادات و اطوار اور معاشرتی اقدار کے سامنے ان کی

نظریں خیرہ ہیں، لیکن ان کا دل ہمیشہ اعظم گڑھ، بندول اور جونپور میں اٹکا رہتا ہے۔ وہ دور رہ کر بھی اپنے عزیزوں کو نہیں بھولتے۔ بعض خطوط میں سلام کہنے کے لئے ناموں کی طول طویل فہرست درج کر دیتے ہیں۔ محمد سلمہ تو شاذ و نادر ہی ان کے کسی خط میں نظر انداز ہوتے ہیں۔ اپنے پتہ میں اپنے قلم سے مسٹر لکھتے ہیں، داڑھی منڈوانے، عورتوں کی حکومت اور مغربی لباس کے بے حد موئید نظر آتے ہیں، مگر یہ بھی نہیں بھولتے کہ ایک ہندوستانی کی شرف و مقبولیت کے لئے کن صفات کی ضرورت ہے؟ کیوں وہ بلند نہیں ہو پاتا؟ منشی محمد اکرام کے صاحب زادے محمد بلال اور دوسرے ہم وطن عبدالرؤف سے خوش نہیں رہتے، لیکن جب ہندوستان واپس جاتے ہیں تو مہدی اپنے والد کو تاکید کرتے ہیں کہ ان کے استقبال کے لئے وہ جونپور جائیں اور اپنے یہاں قیام کروائیں۔ ان سب حقائق کو اگر مربوط کیا جائے تو آخر انیسویں صدی کے مشرقی گھرانے کی تہذیب اور اخلاقی قدروں کا واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تہذیب ہمیں ان خطوط کے ذریعے ذہنی طور پر مرعوب اور احساس کمتری کا شکار نظر آتی ہے، مگر بعض اچھی صفات نے اس کے اندر اتنی گہری جڑیں پکڑ لی ہیں کہ وہ اس وقت تک خشک نہیں ہوئی تھیں۔ یہ مشرق اور مغرب کی کشمکش کا دور تھا۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب پر بڑی تیزی کے ساتھ غالب آ رہی تھی، ایک رنگ ماند پڑ رہا تھا اور دوسرے کے نقوش ابھر رہے تھے۔ مہدی کے خطوط میں ان رنگوں اور نقوش کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔''

[ادیب علی گرھ، جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۷-۸]

اس طویل تبصرہ سے مکاتیب مہدی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مہدی حسن کے خطوط ان کے خانوادے کے کسی فرد کے پاس محفوظ تھے۔ وہ اسے مرتب کر کے شائع کرانا چاہتے تھے اور غالباً اسی غرض سے انہیں دہلی لے گئے۔ ان سے یہ خطوط

ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی نے لئے اور ان پر ایک مضمون لکھا جو ان کے پہلے مجموعہ مضامین ''ادب اور وابستگی'' میں شامل ہے۔ اس کے بعد انہوں نے وہ خطوط ڈاکٹر ابن فرید کو دے دئے۔ ڈاکٹر ابن فرید نے بھی ان پر ایک مضمون ''محمد مہدی کے مکاتیب لندن'' لکھا جو ماہنامہ آج کل، دہلی [جون ۱۹۶۳ء] میں شائع ہوا۔ پھر یہی مضمون ماہنامہ ادیب علی گڑھ [جولائی، اگست ۱۹۶۳ء] میں چھپا۔ اس کو پڑھ کر بعض اہل ذوق نے ان خطوط کو شائع کرنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ ڈاکٹر ابن فرید نے ان ۶۲ رخطوط میں سے محض ۵ رخطوط ماہنامہ ادیب علی گڑھ میں ''شوق کا دفتر کھلا'' کے عنوان سے دو قسطوں [نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء] میں شائع کئے۔ اس کے بعد اس کی کوئی اور قسط شائع نہیں ہوئی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ وہ مجموعہ کیا ہوا۔

زیر نظر مجموعہ میں ڈاکٹر ابن فرید کے شائع کردہ ۵ رخطوط شامل کرنے کے علاوہ ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی کے مضمون سے مکاتیب مہدی کے اقتباسات بھی نقل کر دئے گئے ہیں۔ یہ اقتباسات انہوں نے تاریخ وار نقل کئے ہیں اور اچھا یہ کیا تھا کہ کثرت سے خطوط کے اقتباسات نقل کئے تھے۔ ان کی بدولت مہدی حسن کے بہت سے خیالات اور خطوط کے اقتباسات محفوظ رہ گئے۔ ڈاکٹر ابن فرید نے بھی اپنے پہلے مضمون [مطبوعہ ماہنامہ آج کل، دہلی، جون ۱۹۶۳ء] میں بعض اقتباسات نقل کئے ہیں مگر انہوں نے کئی اقتباسات کو جو شیخ مجیب اللہ کے نام تھے، انہیں شیخ حبیب اللہ کے نام سے درج کر دیا ہے۔ حالاں کہ خود انہوں نے جو اصل خط شائع کیا ہے وہ شیخ مجیب اللہ کے نام ہے۔

چونکہ اصل خطوط دستیاب نہیں ہوئے اور مطبوعہ خطوط پر انحصار کرنا پڑا ہے، اس لئے مہدی حسن کے املا اور رسم الخط پر بحث کی گنجائش نہیں تھی۔ جن لوگوں نے یہ خطوط شائع کئے انہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا۔ مثلاً مہدی حسن نے تقریباً ہر جگہ ڈاڑھی کو داڑھی لکھا ہے۔ پٹخ کو پٹک اور بالکل کو ''بالکل'' لکھا ہے۔ اسی طرح تیار کو ہر جگہ طیار لکھا ہے۔ واضح رہے کہ علامہ شبلی بھی تیار کو طیار ہی لکھتے ہیں۔

مہدی نے عربی و فارسی جی لگا کر پڑھی تھی۔ خطوط مہدی سے ان کی عربی و فارسی دانی

کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔قرآن کی آیات، اردو وفارسی اشعار ومحاورات کا برمحل استعمال ان کے علم وادب سے گہرے مطالعہ وشغف کا پتہ دیتا ہے۔رہی جدید تعلیم کی بات تو اس میں تو وہ اپنے علاقہ کے پہلے شخص تھے جو لندن جا کر بار ایٹ لا ہوئے اور جن کی انگریزی تقریر وتحریر کی داد اہل زبان نے دی۔

مہدی حسن سرسید اور تحریک علی گڑھ کے کے نمائندہ تھے۔لندن میں انہوں نے طلبہ کے درمیان تقریباً ہر موقع پر سرسید کی فکر کو نمایاں کیا۔اور جو طلبہ اس سے اتفاق نہیں رکھتے تھے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

باوجود ان سب باتوں کے حیات شبلی میں ان کا ذکر ایک دوجگہ ضمناً اور اجمالاً آیا ہے۔ اس سے نہ ان کی ابتدائی تعلیم کا اندازہ ہوتا ہے نہ ان کے افکار وخیالات کا۔حتی کہ حیات شبلی سے ان کی تاریخ پیدائش بھی معلوم نہیں ہوتی۔علامہ شبلی کو ان سے بڑی محبت تھی۔مکاتیب شبلی میں اس کے شواہد موجود ہیں۔خود مہدی اپنے بڑے بھائی شبلی کے فضل وکمال کے بڑے معترف و مداح تھے۔ان کے بعض خطوط میں بھی ان کا والہانہ ذکر آیا ہے۔مہدی حسن جب بیرسٹری پاس کر کے اعظم گڑھ واپس آئے تو ان کے والد شیخ حبیب اللہ نے اعظم گڑھ میں ایک بڑا جشن منعقد کیا۔اس موقع پر شبلی نے مہدی کے لئے والہانہ استقبالیہ نظم پڑھی، البتہ دوسری ماں کی طرف داری کے سبب وہ مہدی سے کسی قدر ناخوش ہوئے اور اس کا اظہار بھی کیا مگر ان کی بے وقت موت پر شبلی پھوٹ پھوٹ کر روئے بلکہ ہمیشہ رنجیدہ رہے۔احباب کے نام ان کے کئی خطوط میں اس رنجیدگی کا ذکر ملتا ہے۔بس یہی ذرا سی گھر کی بات تھی جسے شیخ اکرام نے افسانہ بنا دیا اور نفسیاتی مطالعے کے نام پر شبلی سے رشک وحسد کی داستان گھڑ دی۔

دراصل مہدی حسن بہت بے باک اور بے ریا شخص تھے۔جو سوچتے، سمجھتے وہ بے دھڑک کہہ جاتے بلکہ کر جاتے تھے، جبکہ علامہ شبلی کو اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود علماء سے کٹ کر رہنا گوارہ نہ تھا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شبلی کو بھائیوں میں مولوی محمد اسحاق وکیل ہائی کورٹ سے زیادہ تعلق خاطر تھا۔علامہ شبلی خود تو علی گڑھ، حیدرآباد اور لکھنؤ میں علمی اور قومی میں

مصروف رہتے اوران کے بچے بندول میں، ان سب کی دیکھ بھال کا بار بھی مسٹر اسحاق کے ذمہ تھا۔ زمیندانہ مشاغل اور اس کے تمام مسائل کا بار بھی مسٹر اسحاق ہی اٹھاتے رہے اور ۱۲ رنومبر ۱۹۰۰ء کو شیخ حبیب اللہ کی وفات کے بعد سب کچھ انہیں کے ذمہ تھا اور وہ شبلی کی خواہشوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ نیشنل اسکول کی ذمہ داریاں بھی انہوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھی تھیں۔ مجلس موازنہ ترقی قومی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ وہ شبلی کے مزاج و مذاق کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ وفات سے چند ماہ پہلے انہوں نے اعظم گڑھ کے قصبات میں تعلیمی اداروں کے قیام کی بھی کوشش شروع کی تھی، انہیں اگر زندگی نصیب ہوئی ہوتی اور وہ اپنے عزائم کی تکمیل میں کامیاب ہوجاتے تو شاید اعظم گڑھ کا تعلیمی منظر نامہ آج کچھ اور ہی ہوتا۔ بہرحال ان وجوہات سے شبلی کو ان سے کچھ زیادہ تعلق تھا۔ پھر شبلی کے سوانح نگار مولانا سید سلیمان ندوی کا شبلی سے تعلق بھی اسی آخری دور کا ہے۔ مسٹر اسحاق کے نام شبلی کے خطوط بھی انہیں زیادہ ہاتھ آئے اور انہوں نے جو دیکھا سنا اس کا ذکر فطری طور پر حیات شبلی میں زیادہ کیا۔ اور شیخ محمد اکرام اس معاملہ میں حیات شبلی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شبلی کو مہدی سے کچھ کم انس نہیں تھا۔ شبلی کے کئی خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہدی کے لئے برابر فکرمند رہے۔ خاص طور پر ان کی صحت کے سلسلہ میں۔ ایک بار مہدی نے ان سے کسی کی تاریخ کہنے کی فرمائش کی تو ایک کے بجائے دو، تین تاریخیں کہہ کر بھیجیں، اس مجموعہ میں شامل مکاتیب مہدی بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔

مسٹر اسحاق کی وفات پر شبلی نے جو دلدوز مرثیہ لکھا ہے، اس کے بعض اشعار میں مہدی کا بھی نام آیا ہے۔ یہ ذاتی معاملات و مسائل اپنی جگہ لیکن ان کے خطوط واقعی بڑے دلکش ہیں۔ ان سے جہاں خانوادہ شبلی کے حالات اور فکر و خیال کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں عہد شبلی کے ایک جدید اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص کے خیالات اور اس کے ادبی مذاق کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ محمد اکرام نے سچ لکھا ہے کہ:

> ''مکاتیب مہدی میں ایک ادبی شان ہے۔ وہ ایک شگفتہ حوصلہ مند شخصیت کے ترجمان ہیں اوران میں بڑا کس بل ہے۔ یوں بھی مولانا شبلی اوران کے

خاندانی ماحول کو سمجھنے کے لئے ان کا مطالعہ مفید بلکہ ضروری ہے۔ امید ہے کہ
ان کی اشاعت کی سبیل پیدا ہو جائے گی۔ جس سے ادب اردو میں ایک بیش
قیمت اضافہ ہو جائے گا۔ [یادگار شبلی ص ۲۵-۲۶]

لیکن ان خطوط کی اشاعت اس وقت ممکن نہ ہو سکی اور پھر وہ خطوط کہاں گئے کچھ پتہ بھی نہیں۔ اب پچاس برس بعد مجھے جو کچھ ہاتھ آیا ہے، اسے قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ شبلیات کے ضمن میں ان کا مطالعہ آج بھی افادیت سے خالی نہیں۔

[۱]

بنام شیخ حبیب اللہ

[۱]

حضرت والد قبلہ لا زال ظلکم

تسلیم گذارش، اس وقت میں یہاں ہوں اور آپ لوگ اعظم گڑھ تشریف رکھتے ہوں گے، معلوم نہیں خدا نے کس طور سے ہمارے دلوں کو مضبوط کر دیا ہے کہ اس قدر دور و دراز جگہ پر واقع ہیں اور ابھی اور دور ہوں گے مگر کوئی وسواس نہیں۔

وہ وقت بھی خدا نے بہت آسان کر دیا جب کہ میں آپ لوگوں سے رخصت ہوا۔ شاید ہم لوگوں کے دل پتھر کے ہو گئے تھے کہ علاحدہ ہو سکے، ورنہ میں تو اس طرح لپٹا رہتا کہ قیامت تک جدا نہ ہوتا۔

خیر یہ بھی ہونا تھا ہوا۔ اب آئندہ کی خیر منانی چاہئے۔

میں صحیح و سالم ہوں۔ کوئی خاص شکایت جدید نہیں ہے۔

ہم لوگ بخیر و عافیت آج ۹ ربجے صبح کو یہاں داخل ہوئے، غسل کیا، کپڑے بدلے، کھانا کھایا، اب ۱۲ بجے میں خط لکھ رہا ہوں۔

یہاں واٹسن ہوٹل میں مقیم ہیں۔ ہر شخص کو ایک ایک کمرہ ملتا ہے اور اس کی روزانہ فیس معہ خوراک وغیرہ سات سات روپیہ ہے۔ مقام نہایت ہی پُر فضا ہے۔

ابھی تک کوئی کام نہیں کیا ہے، آپ کو خط لکھنے کے بعد دو چار صاحبوں کو خط لکھوں گا۔ تیسرے پہر خرید پارچہ وغیرہ کے لئے شہر جاؤں گا۔

انشاءاللہ جب تک یہاں قیام ہوگا برابر خط جائے گا۔آپ مفصل خط مع کیفیت مزاج خاص ودیگر متعلقین وغیرہ ہر ہفتہ لکھ کر ولایت ارسال فرمایا کیجئے۔ولایت سے میرے خط کا انتظار نہ فرمایئے گا کیوں کہ اس طرح سے تین مہینے گذر جائیں گے اور نہایت تکلیف ہوگی۔پتہ ولایت کا بذریعہ محمد (۲) یا بھائی علی احمد (۳) مل جائے گا۔بمبئی خط نہ لکھئے گا۔زیادہ اس وقت نہیں لکھ سکتا۔

عریضہ

محمد مہدی حسن

بمبئی واٹسن ہوٹل

۲۸/اپریل ۱۸۸۵ء

روز منگل وقت ۱۲ بجے دوپہر

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ، نومبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۸-۱۹]

---

[۲]

والد صاحب لازال ظلکم

تسلیم: آج ۳/بجے ہم جہاز پر جائیں گے، خدا مالک ہے۔

میں نے چار ہزار روپیہ بذریعہ ایجنٹ کے آج ولایت روانہ کیا ہے۔

مبلغ آٹھ سو روپیہ سے زائد کرایہ جہاز وغیرہ میں صرف ہوا، باقی قریب دو سو کی اشرفی میں نے اپنے ساتھ رکھ لی ہے۔آپ مجھ کو اسی ہفتہ میں خط مفصل بابت کیفیت مزاج ودیگر متعلقین وغیرہ لکھئے گا۔ولایت سے میرے خط کا انتظار کرنے میں حد سے زیادہ عرصہ ہوگا اور جس کی تکلیف کو میں نہیں برداشت کرسکتا۔

ایک لفافہ اپنے پتہ اور نشان کا بھیجتا ہوں، اسی کے پتہ سے خط لکھا کر بھیجئے گا۔

یہ لفافہ محمد سمیع (۳) بھائی صاحب وغیرہ کو بھی دکھلا دیجئے گا تاکہ ان لوگوں کو بھی میرا صحیح صحیح پتہ معلوم ہوجائے۔محمد کو بھی دکھلا دیجئے گا۔بعد ازاں اپنے پاس رکھ لیجئے گا تاکہ آئندہ کام

آئے۔ میری طبیعت اب تک بہت اچھی ہے۔ جہاز کا حال انشاءاللہ عدن سے لکھوں گا، خط بہت جلد بلکہ فوراً لکھئے گا۔ سب کو نہایت شوقیہ اور مود بانہ سلام کہہ دیجئے گا۔

عریضہ ادب

مہدی

بمبئی، واٹسن ہوٹل

یکم مئی روز جمعہ۔ بارہ بجے دن

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ، نومبر۱۹۶۳ء، ص۲۰-۲۱]

---

[۳]

حضرت قبلہ!

تسلیم: ہزار ہزار شکر ہے کہ اب تک کسی قسم کی تکلیف جہاز میں نہیں ہوئی، سمندر بہت ٹھہرا ہوا ہے اور اس وجہ سے جہاز کو بہت جنبش نہیں ہوئی، تمام لوگ بہت خوش وخرم ہیں۔ البتہ کبھی کبھی سرگرانی سی ہوتی ہے۔

پہلے روز جب ہم شام کو چلے تو کچھ دیر تک لوگ خوش رہے کیوں کہ جس قدر مسافر جہاز پر ہیں سب باستثنا میرے اور کاظم حسین کے انگریز ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ وطن جانے کی خوشی کتنی بڑی خوشی معلوم ہوتی ہے۔ بس صرف ہم دونوں آدمی مغموم بیٹھے تھے مگر شب کو سب کے چہرے پر اداسی چھائی کیوں کہ دو ایک لیڈیوں کو خفیف خفیف دوران معلوم ہوا۔ دوسرے دن بھی جہاز کے لوگ کسی قدر مغموم رہے مگر تیسرے دن سے تو بہت خوش ہیں، جہاز کے عنقریب تمام مسافروں سے ہم سے باتیں ہوئیں۔ یہ لوگ نہایت مہربانی سے ملتے ہیں۔ یہاں انگریز اور ہندوستانی کا فرق بالکل نہیں ہے۔ بالکل مساویانہ حالت میں رہتے ہیں۔ اس جہاز پر لارڈ ولیم برسفورڈ بھی ہیں۔ یہ صاحب گورنر جنرل کے فوجی سکریٹری ہیں۔ آدمی نہایت ہی زندہ دل ہیں اور ہم سے اکثر مذاق کی باتیں کرتے ہیں۔ بہرحال یہاں ہر ایک قسم کا آرام ہے، کسی امر کی تکلیف

نہیں ہے، اگر کوئی تکلیف ہے تو روحانی ہے جس کا علاج جہاز والوں کے ہاتھ نہیں ہے۔

بمبئی سے متعدد خطوط ارسال خدمت ہو چکے ہیں اور ان میں تمام حالات ضروری بابت اخراجات وغیرہ مندرج تھے۔

امید ہے کہ ہم لوگ ۲۱/تاریخ تک لندن پہنچ جائیں گے۔ ہمارا جہاز آج صبح عدن میں پہنچا، چھ گھنٹہ ٹھہرے گا، مگر چوں کہ قرنطینہ جاری ہے اس وجہ سے ہم لوگ جہاز پر سے اترنے نہیں پائیں گے۔

اگرچہ جہاز پر ہر ایک قسم کا آرام ہے اور قواعد طب سے سمندر کی ہوا نہایت ہی صحت بخش ہے مگر چونکہ آپ لوگوں کا مطلقاً حال نہیں معلوم ہے۔ اس لئے طبیعت بہت فکر میں رہتی ہے۔

میں نے اپنا پتہ تو آپ کے پاس بھیج دیا ہے، معلوم نہیں پھر آپ نے کوئی خط مجھ کو لکھا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی خط لکھا ہوگا تو ولایت پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد انشاءاللہ مل جائے گا۔

خط ضرور بہت جلد جلد لکھئے گا اور اس میں تمام لوگوں کے مزاج کی مفصل کیفیت درج ہونی چاہئے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ سب کو سلام اور بہت بہت سلام۔

یہ خط آپ کو شاید پندرہ دن کے بعد ملے گا۔

ہمارے ساتھ جو مسافر ولایت جاتے ہیں، ان سب کی فہرست اخبار ٹیمس آف انڈیا میں چھپی ہے، میرا بھی نام اس میں ہے۔ ارسال خدمت ہے۔ عریضہ ادب

مہدی

عدن۔ سیام اسٹیمر

۷/مئی ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ، نومبر ۱۹۶۳ء، ص ۲۱-۲۲]

---

[۴]

ایک لیڈی کے مکان میں مقیم ہوں۔ یہ لیڈی نہایت نیک مزاج اور خوش طبع ہے۔ ہم

سے نہایت خوش رہتی ہے اور ہمارے بہت سے کام مفت میں کر دیتی ہے۔ایک روز میری طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی تو ایک بجے رات تک میرے پاس بیٹھی رہی۔اس نے ہم سے یہ بھی کہا کہ ہمارا حال ہندوستان میں اپنے ماں باپ کو ضرور لکھنا۔ہم نے دو کمرہ لے رکھے ہیں۔ایک کمرہ میں سونے کا پلنگ، منہ دھونے کا سامان سنگار میز وغیرہ وغیرہ ہے۔دوسرے کمرے میں میز کرسی، آرام چوکی، کوچ وغیرہ ہے۔لندن میں اشرفی کی بہت چال ہے۔جس کو پونڈ کہتے ہیں۔اصل میں ایک پونڈ دس روپئے کے برابر ہوتا ہے مگر ان دنوں ہنڈیاون بہت زیادہ ہے، اس وجہ سے بارہ روپیہ بارہ آنے پر ایک پونڈ ملتا ہے، یہ سخت ظلم ہے۔میں اپنے دونوں کمروں کا کرایہ اٹھارہ شلنگ ہفتہ وار دیتا ہوں۔

اب کھانے کا حال سنئے۔صبح کو دس بجے تھوڑی سی مچھلی اور دو انڈے ملتے ہیں۔دسترخوان پر پاؤ روٹی اور چاے بھی رہتی ہے۔یہاں تیسرے پہر بھی کھانے کا دستور ہے۔مگر میں نہیں کھاتا۔شام کو سات بجے بڑا کھانا آتا ہے۔اس وقت ایک برتن میں گوشت، ایک برتن میں آلو یا مٹر کی پھلیاں آتی ہیں۔جب ان کو زہر مار چکتا ہوں تو کباب، کبھی مٹھائی اور کبھی تلے ہوئے پارچے ملتے ہیں۔بس اللہ اللہ خیر صلا۔یہاں ہندوستان کی طرح سے نہیں ہے کہ ایک برتن میں پیٹ بھر جائے۔اچھا اب ان کا خرچ سنئے۔مجھ کو دونوں وقت کی خوراک کی بابتہ ساڑھے چار شلنگ فی دن دینے ہوتے ہیں جس کی تعداد ہفتہ میں ۳۲ شلنگ ہوتی ہے۔اس طور پر ماہواری خرچ خوراک ۷ پونڈ ۴ شلنگ ہوتا ہے جو برابر ہے مبلغ ۹۰ روپیہ کے۔پس کھڑا کھڑا خرچ خوراک و کرایہ جملہ ۱۴۲ روپیہ کے برابر ہے۔اب آپ کو بتلاتا ہوں کہ یہاں انسان کا خرچ محض اتنا ہی نہیں بلکہ چند مدزاید بھی ہے۔دھوبی کی تنخواہ، میٹھا پانی، چرٹ، آگ، گاڑی کا کرایہ، یہ سب مل کر قریب ۵۰ روپیہ ماہوار ہوتا ہے۔اب رہا جیب خرچ اس کو جس قدر چاہئے وسعت دیجئے، تاہم اگر آپ بہت کفایت کریں گے تو قریب پچاس روپیہ کے یہ بھی ہو جائے گا۔پس میں ۲۵۰ سے کم میں نہیں رہ سکتا اور مجھ کو امید ہے کہ آپ اس سے کم دینا ہرگز نہ پسند کریں گے۔آپ نے جس مردانہ ہمت کے ساتھ یہاں بھیجا ہے اسی ہمت کے ساتھ میرا خرچ بھی چلنا چاہئے۔میرا خیال ہے کہ جس دھوم

دھام سے عزت کے ساتھ میں ہندوستان سے رخصت کیا گیا ہوں اس کا پورا معاوضہ کروں۔ مجھ کو بہت عزت حاصل کرنی ہے اور خدا وہ دن لائے کہ میں بارسٹر ہوں۔ یہاں سے متعدد ڈگری اور خطابات حاصل کر کے ہندوستان کی زمین پر پھر قدم رکھوں۔

مہدی

۲۲رجون ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۱-۱۰۲]

---

[۵]

تھوڑے دن ہوئے میں نے ایک خط ویلک صاحب جج کو لکھا تھا، وہ برائٹن میں رہتے ہیں جو یہاں سے ریل پر ڈیڑھ گھنٹہ کے فاصلہ پر ہے۔ ان کا جواب آیا ہے اور انہوں نے بڑے شوق سے مجھ کو بلایا ہے۔ حاضری کھا کر [؟] سمندر کی سیر کرانے لے جائیں گے۔ میں ان کا خط آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کو اس خط سے اندازہ ہوگا کہ ولایت میں آ کر انگریز بھلے مانس ہو جاتے ہیں اور ان کے مزاج میں مطلقاً وہ بات نہیں رہتی جو ہندوستان میں ہوتی ہے۔ ویلک صاحب مجھ کو لکھتے ہیں کہ تمہارے استقبال کو ریلوے اسٹیشن پر آؤں گا۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ہندوستان میں کوئی جج ایسا کرے گا۔ ہرگز نہیں۔''

مہدی

۱۰رجولائی ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۲]

---

[۶]

''یہاں آ کر اچکن پاجامہ سب چھوڑ دیا ہے۔ کوٹ پتلون پہنتا ہوں۔ پہلے تو میں نے داڑھی تر شوادی اور چھوٹی چھوٹی رکھ لی مگر آخر کار معلوم ہوا کہ یہاں کوئی شریف نوجوان شخص داڑھی

نہیں رکھتا۔ پچاس برس پہلے تو صرف بدمعاش لوگ داڑھی رکھتے تھے۔ مگر اب اس قدر معیوب نہیں ہے۔ ہاں نو جوان شریف اب بھی داڑھی رکھنی معیوب سمجھتے ہیں۔ علاوہ اس کے کیمبرج میں کوئی طالب علم داڑھی واڑھی نہیں رکھتا، مجبوراً مجھ کو بھی داڑھی صاف کرانی پڑی۔ یہاں دو تین جگہ رات کو میری دعوت ہوئی مگر میں نہیں جا سکا۔ کیونکہ رات کے کھانے کا کپڑہ (جس کو انگریزی میں ڈریس سوٹ کہتے ہیں) اب تک نہیں طیار تھا اور دن کے کپڑے میں جانا بے عزتی ہے تا ہم چند ایسی دعوتوں میں شریک ہوا جو دن کو ہوتی تھیں۔''

مہدی

۱۷ر جولائی ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی۔ ص ۱۰۲-۱۰۳]

---

[۷]

میں اس ہفتہ میں منگل کو ویلک صاحب کے مکان پر بمقام برائٹن گیا تھا، ویلک صاحب نہایت تپاک سے ملے۔ میرے لئے اسٹیشن پر پہلے سے موجود تھے۔ اپنے ساتھ دو کان پر لے گئے۔ وہاں ان کی میم صاحبہ اور صاحبزادی سے ملاقات ہوئی۔ یہ لوگ حسن سلوک میں ویلک صاحب سے بڑھ کر تھیں۔ ہماری نہایت مہمانداری کی۔ ہمارے انگریزی بولنے اور یورپین انداز سے نہایت خوش ہوئے۔ ویلک صاحب نے بار بار کہا کہ تم نہایت عمدہ انگریزی بولتے ہو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسٹر حسن اپنے طرز و انداز، رفتار و گفتار سے بالکل یورپین معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے اس روز کھانا ویلک صاحب کے مکان پر تمام لوگوں کے ساتھ کھایا۔ میز پر ایک نہایت ہی دلچسپ لطیفہ ہوا۔ ویلک صاحب کی صاحبزادی نے میرے گلاس میں شراب ڈالنی چاہی اور ہم سے پوچھا کہ تم اس شراب کو پسند کرتے ہو یا نہیں۔ میں نے شراب سے بالکل انکار کیا۔ اس پر وہ نہایت متعجب ہوئیں لیکن ویلک صاحب نے آخر ان کو سمجھایا اور کہا کہ مسٹر حسن مسلمان ہیں اور ان

کے والد مولوی مسلمان ہیں۔ یہ شراب کو ہاتھ لگانا بھی حرام سمجھتے ہیں۔اس پر ان کی صاحبزادی نادم ہوئیں اور ہم سے معافی مانگی۔ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آخر کو اپنے مذہب کے اصول سمجھائے۔ ویلک صاحب کی میم اور ان کی صاحبزادی دونوں ہماری تقریر سے بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ کاش یہاں بھی ایسا ہی مذہب ہوتا۔ ویلک صاحب بار بار آپ کا حال دریافت کرتے تھے۔ .... کل یہاں ملکہ کی چھوٹی لڑکی کی شادی تھی۔ بڑی دھوم دھام تھی۔ ....مہدی سوڈانی کی نسبت مشہور ہے کہ مر گیا مگر مجھ کو یقین نہیں ہے: ع

سیکڑوں مرتبہ مر مر کے جئے ہجر میں ہم
ضعف سے طے نہ ہوئی راہ عدم بھی ہم سے

زار روس کا حال نہیں کھلتا مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں انگریز لوگ روس سے بہت ڈرتے ہیں اور ہر طرح پر صلح پر راضی ہیں۔

مہدی

۲۴رجولائی ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی۔ص۱۰۲-۱۰۳]

---

[۸]

میرے خیال میں ضروری نہیں ہے کہ مسلمان لڑکوں کا نام عربی میں رکھا جائے بلکہ ہر زبان میں ممکن ہے۔ پس اگر آپ ہندوانہ نام رکھنا پسند کرتے ہیں تو اس کا نام سورج پرکاش یا سورج نرائن مناسب ہوگا۔ اگر یہ پسند نہ ہو تو ایک انگریزی نام تجویز کرتا ہوں۔مسٹر جیمس بہتر ہوگا۔اگر آپ اس کو بھی پسند نہ کریں تو خواہ مخواہ عربی نام تجویز کرنا پڑا۔ میرے خیال میں محمد احسن ایک احسن نام ہوگا۔نام تو میں نے بہت اچھا تجویز کر دیا ہے جس کے خود لفظی معنی بہت اچھے ہیں مگر مجھ کو خوف ہے کہ ہمارے بھائی مولوی محمد شبلی صاحب بیکار بیٹھے ہوں گے۔ وہ تو سب کا نام رکھتے پھرتے ہیں۔ تعجب نہیں کہ اس لڑکے کا نام بھی رکھ دیا ہوگا۔ نام رکھنے کے بہت معنی ہیں مگر

اس میں کچھ کلام نہیں کہ ہمارے بھائی صاحب میں یہ خاص صفت ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ میری اس گستاخی کو معاف کریں گے۔............

مہدی سوڈانی تو مرگیا۔ اب انگریز عناف ونعیما کو بھی چاہتے ہیں کہ مرجائے۔ بلکہ بعضوں نے تو مشہور کر دیا کہ وہ بھی مرگیا مگر مجھ کو کسی کی موت کا یقین کامل نہیں ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ گارڈن بھی زندہ ہیں اور مسلمان ہوکر مہدی کی فوج میں ہے۔ اب مہدی کا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے۔ ہاں روس کا جھگڑا سلجھتا نظر نہیں آتا۔ روس لڑائی مانگتا ہے انگریز بچنا چاہتے ہیں۔ تعجب نہیں کہ چھیڑ ہوجائے۔ نئی وزارت جو قائم ہوئی ہے اس میں جوش زیادہ ہے۔ غریب گلیڈسٹون طرح دیتے ہیں۔ مگر سابسری ذرا تیز مزاج کے ہیں۔

مہدی

۱۴راگست ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۴]

---

[۹]

اور کیا لکھوں۔ میں نے اپنی تصویریں کھنچوائی ہیں، دو تصویریں تو اس وقت کی ہیں جب میں داڑھی والا مہدی تھا اور ایک تصویر وہ ہے جو بعد صفائی کے تیار ہوئی ہے۔ .... یہاں ایک ہندوستانی ہیں ان سے ہم سے قبل داڑھی منڈوائی کے ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے جب بعد کو دیکھا تو بہت متحیر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کیا؟ ہم نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا داڑھی خدا کا نور ہے۔ منڈوانا نہیں چاہئے تھا۔ ہم نے کہا کہ بوڑھوں کی داڑھی شاید خدا کا نور ہو مگر جوانوں کی داڑھی خدا کا نور نہیں ہوسکتی کیوں کہ خدا کا نور سیاہ نہیں ہے بلکہ روشن اور چمکتا ہے، اس پر خوب قہقہہ ہوا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری گستاخیاں معاف فرمائیں گے۔

مہدی

۱۶راگست ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۱۱]

---

[۱۰]

''اگرچہ انگریز اپنی تہذیب اور شائستگی پر بہت نازاں ہیں تاہم مجھ کو اس بات کے لکھنے پر سخت افسوس ہے کہ تمام انگریز سمندر کے کنارہ پر مادر برہنہ غسل کرتے ہیں۔ تھوڑے فاصلہ پر لیڈیاں بھی غسل کرتی ہیں۔ ہزاروں مرد و عورت سمندر کے کنارہ پر ہر وقت ٹہلا کرتے ہیں مگر یہ بے شرم غسل کرنے والے کچھ پروا نہیں کرتے۔ میں انہیں وجوہ سے یہاں کے بعض جلسوں میں نہیں شریک ہو سکتا۔

یہاں ناچنا نہایت ضروری چیز ہے جو شخص ناچ نہیں سکتا وہ پورا جنٹلمین نہیں ہے۔ یہاں چند انگریزوں کے یہاں میری دعوت ہوئی۔ کھانے کے بعد ناچ کا سامان ہوا۔ لوگوں نے ہم سے ناچنے کو کہا مگر ہم بیچارے ناچنا نہیں جانتے۔ دو تین لیڈیوں کو ہمارے ساتھ ناچنے کا بہت شوق تھا مگر کیا کریں مجبور تھیں۔ آخر کو ایک لیڈی نے ہم سے کہا کہ ''مسٹر مہدی اگر تم برا نہ مانو تو میں تم کو ناچنا سکھلا دوں۔'' میں نے جواب دیا کہ ''مجھ کو شرم آتی ہے کہ تمہاری ایسی لیڈی خود مجھ سے ناچنے کو پوچھتی ہے اور پھر میں منظور نہیں کر سکتا۔'' اس پر خوب قہقہہ ہوا۔ عام دستور یہ ہے کہ جنٹلمین کو لیڈیوں سے درخواست کرنی پڑتی ہے کہ میں آپ کے ساتھ ناچنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی لیڈی انکار کر دے تو اس شخص کی نہایت توہین ہوتی ہے۔ ماں بیٹے کے ساتھ، بھائی بہن کے ساتھ برابر ناچتے ہیں۔ یہ کچھ بری بات نہیں ہے۔ باپ بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی لڑکی کسی مرد کے ساتھ ناچتی ہے۔ باپ کہتا جاتا ہے میری فلاں لڑکی خوب ناچتی ہے۔ کس صفائی سے پاؤں کو اٹھاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اصل یہ ہے کہ اس ملک کی عادات و رسومات عجیب و غریب ہیں۔ اگر مکان کے اندر کسی شخص کو بغیر بوٹ یا موزہ کے دیکھ لیں تو اس کو نہایت وحشی سمجھتے ہیں۔ بیت الخلاء جانے کے لئے نہایت احتیاط شرط ہے۔ کوئی کسی شخص کو بیت الخلاء جاتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ خدا جانے کب جاتے ہیں، کب آتے ہیں۔ کہاں تو اس درجہ احتیاط اور کہاں دریا میں مادرزاد برہنہ غسل کرتے

ہیں۔ لیڈیاں اپنی پوشاک میں بڑی احتیاط کرتی ہیں۔ اگر کسی لیڈی کو ملاقات کے کمرہ یا مکان سے باہر دستانہ کے دیکھ لیں تو اس کو لیڈی نہیں تصور کرتے مگر کھانے کے وقت یا تھیٹر یا ناچ میں لیڈیوں کی پوشاک بالکل برہنہ کے برابر ہوتی ہے۔ نصف ہاتھ نصف پشت اور قریب قریب تمام سینہ کھلا ہوتا ہے۔ بغیر اس قسم کے لباس کے کوئی لیڈی کھانے کی میز پر نہیں بیٹھ سکتی۔ بس مجھ کو تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ کون سا ملک ہے۔ میں یہاں کے حالات کو سخت ناپسند کرتا ہوں مگر افسوس کہ ان کے متعلق آپ کو کچھ نہیں لکھ سکتا۔

عریضہ ادب۔
محمد مہدی حسن عفی عنہٗ
۲۱/اگست ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۵]

---

[۱۱]

’’آپ کو میری داڑھی چلے جانے کا رنج ہے۔ مجھ کو اس بات کے معلوم ہونے سے افسوس ہے۔ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا تو شاید میں اس کے منڈانے کی ہمت نہ کرتا۔ ہمارے ایک دوست نے ہم کو ہندوستان سے داڑھی منڈانے پر بہت کچھ برا بھلا لکھا ہے اور لکھتے ہیں کہ ’’تم نے خدا کے نور کی قدر نہیں کی۔‘‘ ہم نے اپنے پرانے شفیق کی تحریر کو آنکھوں سے لگایا مگر داڑھی کے متعلق ان کو صرف اس قدر لکھ دیا کہ ’’بھائی میں نے یہ سمجھا تھا کہ خدا کا نور سیاہ نہیں ہوتا۔ اگر میری داڑھی سپید ہوتی تو شاید اس کو خدا کا نور سمجھتا مگر کالے بالوں کو نور سمجھنا اور پھر وہ بھی خدا کا نور خدا کی توہین ہے۔

والد صاحب! آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جب خدا تم کو اس لائق کرے گا تو اپنی زندگی کے آرام دینے کی فرمائش کروں گا۔‘‘ اے میرے پیارے باپ، یہی تو میری تمنا ہے اور اسی

قابلیت کو پیدا کرنے میں آپ لوگوں کی آنکھوں سے دور ہوکر یہاں آیا ہوں۔ ہائے وہ دن کب آئے گا کہ میں عزت اور کامیابی کا تاج پہن کر آپ لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور آپ خوش ہوکر کہیں گے ''بیٹا میری فلاں خدمت کرو۔''

مہدی

۴رستمبر ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۶]

---

[۱۲]

''نہایت خوشی کے ساتھ یہ خبر لکھتا ہوں کہ میں کیمبرج یونیورسٹی کے اول امتحان میں کامیاب ہوا۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ تمام کالج میں میرا نمبر دوئم رہا۔ تمام طالب علموں میں میری عزت و وقعت زیادہ ہوگئی۔ طلباء جوق در جوق مبارک باد دینے میرے کمرہ میں چلے آرہے ہیں۔''

مہدی۔ مٹھائی دیجئے۔

۲۳راکتوبر ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۶]

---

[۱۳]

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ تمہاری پوری تصویر مجھ کو پسند آئی، میں خوب جانتا ہوں کہ وہ تصویر آپ کو کیوں پسند آئی۔ آپ نے اس مدعا کو اس طرح سے کیوں نہیں ادا کیا کہ تمہاری داڑھی پسند آئی۔ خیر جب میں ہندوستان آؤں گا تو انشاءاللہ داڑھی بڑھا کر آؤں گا۔

مہدی

۶رنومبر ۱۸۸۵ء

[ماخذ: ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۱۱، ادب اور وابستگی ص ۱۰۶]

---

[۱۴]

میں افسوس کرتا ہوں کہ ارسال خطوط میں مجھ سے اکثر تعویق ہوتی ہے۔

مہدی

۵؍فروری ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۹]

---

[۱۵]

''پچھلے ہفتہ یہاں ایک نہایت عظیم الشان جلسہ ہوا تھا۔ کیمبرج میں بحث و مباحثہ کا جو کلب گھر ہے، اس میں ایک نئی عمارت کتب خانہ کے لئے تعمیر ہوئی ہے۔ اس کے افتتاح کا جلسہ ۲۴؍فروری کو ہوا تھا اور شہزادہ ولی عہد کے بڑے بیٹے اس کے کھولنے کو آئے تھے۔ علاوہ شہزادہ موصوف کے بہت سے ممبران پارلیمنٹ لارڈ اور بشپ وغیرہ بھی شریک جلسہ ہوئے تھے۔ میری کرسی شہزادہ سے بہت قریب تھی۔ نہایت لطف رہا۔ اکثر ممبر پارلیمنٹ نے اسپیچ دی۔ اس عمارت کے بالا خانہ پر بہت سی لیڈیاں بھی جمع تھیں۔ اب تک اس کلب میں صرف مرد ممبر ہو سکتے ہیں لیکن اب کوشش ہو رہی ہے کہ جو لیڈیاں کالجوں میں پڑھتی ہیں وہ بھی ممبر ہو سکیں اور اسپیچ دیں۔

عریضہ

حسن مہدی

۴؍مارچ ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۷]

---

[۱۶]

''ان دنوں انگلستان میں ہندوستانیوں کی کثرت ہے اور ہر مہینہ میں دو چار طالب علم یہاں آتے ہیں مگر ان میں سے اکثروں کی حالت قابل تاسف ہے۔ معلوم نہیں ان کے والدین کو کیا خبط ہے جو بلا سمجھے بوجھے یہاں بھیج دیتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہندوستان جا کر کیا کریں گے اور اس صرف عظیم کی تلافی ان سے کیونکر ہوگی۔

حسن مہدی

۶ /اگست ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص۱۰۹]

---

[۱۷]

''اگر وہ ہندوستان میں میری برائی لکھے تو اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے کیونکہ آپ ان خبیثوں کی تحریر کو باور نہ کریں گے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ انگلینڈ میں میری عزت وتوقیر کو گھٹانے کے خواہاں ہوں گے تو اس سے آپ مطمئن رہے............ایسے لونڈوں کو میں انگلیوں پر نچاتا ہوں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ انگلینڈ میں آ کر پر و پرزہ جھاڑنے لگے ہیں اور کبھی کبھی غوں غاں بھی کرتے ہیں مگر والد صاحب میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ کیا بکتے ہیں بلکہ مجھ کو یہ اشعار یاد پڑتے ہیں۔

کہ مرغ ٹینی کا بچہ کھٹکتے ہی انڈا
حضور بلبل بستاں کرے نواسنجی

ان کا ارادہ کیمبرج میں پڑھنے کا ہے اور ان کے لئے محال ہے کہ میرے خلاف ہو کر کیمبرج میں معزز رہیں۔ کیمبرج میں کسی کی برائی کرنا نہایت کمینہ کام سمجھا جاتا ہے۔

مہدی

۹؍ستمبر ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۹]

---

[۱۸]

''بھائی مولوی محمد شبلی صاحب کا ضعف بھی قابل اندیشہ ہے۔ میرے خیال میں علاج سے غفلت نہ کرنی چاہئے اور چند دنوں تک ان کو پڑھنے لکھنے سے آرام لینا چاہئے۔ انہوں نے جو مثنوی بنام ''صبح امید'' لکھی ہے میری نظر سے اب تک نہیں گذری۔ اگر ہو سکے تو اس کی ایک جلد میرے پاس بواپسی ڈاک ارسال فرمائیں۔''

مہدی

۲۹؍اکتوبر ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۰]

---

[۱۹]

''عم مکرم شیخ مجیب اللہ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ سخت علیل ہیں۔ مجھ کو جو تکلیف اور پریشانی ہوئی اس کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ مزید برآں یہ سن کر مجھ کو اور رنج ہوا کہ آپ علالت میں میرے لئے روتے تھے۔ واہ والد صاحب واہ۔ کجا تو آپ میرے رونے اور چھوٹے دل ہونے پر ہنسا کرتے تھے اور کجا آپ کی یہ کیفیت ہے۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ محبت پدری بھی عجیب شئے ہے مگر والد صاحب آپ کے رونے سے اوروں کی کیا کیفیت ہوگی۔ خدا کی قسم میں جب خیال کرتا ہوں تو کلیجہ اچھلتا ہے اور آنکھوں میں بے اختیار آنسو چلا آیا کرتا ہے۔ اگر آپ دل یوں چھوٹا کریں گے تو اس غریب الوطن اور دور افتادہ مہدی کی کیا کیفیت ہوگی۔''

مہدی

۳؍دسمبر ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۰]

---

[۲۰]

میں اپنا حال کیا لکھوں۔ اچھا ہوں اور برا بھی ہوں۔ محنت کرتا ہوں اور کبھی کبھی تضیع اوقات بھی کرتا ہوں۔ آپ لوگ اکثر یاد آتے ہیں اور بسا اوقات ہندوستان میں پہنچنے کی آرزو تیز ہو جاتی ہے۔

مہدی

۱۸/فروری ۱۸۸۷ء

[ماخذ: ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۹]

---

[۲۱]

''مجھ کو اس امر کے دریافت ہونے سے خوشی ہوئی کہ جوبلی کا انتظام آپ کے متعلق تھا اور بخیر و خوبی انجام پایا۔ والد صاحب یہ ایسا موقع تھا کہ اگر آپ کوشش کرتے تو بتحریک حکام ضلع آپ کو کوئی خطاب مثلاً خان بہادر وغیرہ ضرور مل جاتا۔ ایسے مواقع کم تر ہاتھ آتے ہیں۔ خیر اب بھی ایک موقع ہے اس کو ہاتھ سے نجانے دینا چاہئے یعنی تعمیر یادگار میں خوب کوشش کیجئے اور مجسٹریٹ ضلع کو ظاہر داری وغیرہ سے یقین دلایئے کہ آپ اس یادگار کے بڑے پیرو کار تھے۔ میرے خیال میں ایک کتب خانہ اس یادگار میں قائم کرنا چاہئے اور اس کا نام جوبلی لائبریری رکھنا چاہئے۔ انگلینڈ میں جوبلی کا جلسہ اب تک نہیں ہوا ہے۔ ۲۰/ماہ جون کو یہ جلسہ ہوگا کیوں کہ اس تاریخ کو ملکہ وکٹوریہ ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئی تھی۔ مگر ابھی سے بڑا انتظام ہو رہا ہے۔

مہدی

۱۸/مارچ ۱۸۸۷ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۱]

---

[۲۲]

''۲۱؍ماہ حال کو جلسہ جوبلی نہایت شان وشوکت سے کیا گیا۔تمام ممالک یورپ وایشیا کے ممبران شاہی خاندان یہاں آئے تھے اور ایک عظیم الشان جلوس جس میں تمام شاہی خاندان کے لوگ اور نیز ہندوستانی راجاورؤسا وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔تمام نامی سڑکوں پر پھرا۔لندن ایک تماشا گاہ تھا۔خلائق کی وہ کثرت تھی کہ الاماں۔شب کو ہرجگہ اعلیٰ قسم کی روشنی ہوئی اور تمام گاڑیاں روک دی گئیں۔سڑک پر تماشائیوں کی کثرت سے جگہ نہ تھی۔ملکہ وکٹوریہ ایک پرشوکت گاڑی میں تھی مگر اس کا لباس معمولی تھا۔ہاں یہ پہلی مرتبہ ہے کہ اس نے بعد از وفات اپنے شوہر کے ماتمی لباس اتار دیا تھا۔عین شاہی گاڑی کے پیچھے سات آٹھ ہندوستانی فوجی اپنے ہندوستانی فوجی لباس میں برہنہ تلوار کے گھوڑوں پر سوار تھے اور ہر شخص نے اس کو نہایت پسند کیا اور خوب نعرہ خوشی بلند ہوا۔ایران وغیرہ کے بھی ممبران شاہی خاندان آئے تھے۔حقیقت میں یہ جلوس بلا کا جلوس تھا۔میری طاقت سے باہر ہے کہ اس تمام شوکت وغیرہ کو بیان کرسکوں۔

میں اچھا ہوں۔آپ نے جو خواب میں مجھ کو دبلا دیکھا ہے وہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔میں از فربہ ہوگیا ہوں اور روز بروز موٹا ہوتا جاتا ہوں۔توند شریف بھی دھوم دھام سے بڑھ رہی ہے۔مجھ کو اپنے موٹے ہونے کا چند وجوہ سے افسوس ہے مگر جب یہ خیال کرتا ہوں کہ الفربہ خوانخواہ معتبر تو قدرے تسلی ہوجاتی ہے۔

مہدی

۲۴؍جون ۱۸۸۷ء

[ماخذ:ادب اوروابستگی ص۱۱۱-۱۱۲،ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص۱۱]

---

[۲۳]

ایک مرتبہ میرے ایک دوست نے یہ مضمون کمیٹی کے سامنے پیش کیا کہ ''اگرچہ ظاہراً مرد دنیا کے حکمراں ہیں مگر اصل میں دنیا کی حکومت عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔'' اس مضمون کی

لوگوں نے بالعموم مخالفت کی اور اکثر نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں اور مرد ظاہراً اور باطناً اور اصلاً دنیا کے حکمراں ہیں۔ میرے دوست پر اس مخالفت سے ایک عجیب مایوسی کا عالم چھا رہا تھا اور ہر شخص کو یقین تھا کہ اس کا مضمون اس کے خلاف فیصل ہوگا۔ اسی مایوسی کے عالم میں میرے دوست نے میرے کان میں کہا کہ ''مہدی! اگر تم بھی میری موافقت نہ کروگے تو سخت ذلت ہوگی۔'' والد صاحب میں کھڑا ہوا اور ایک گھنٹہ تک نہایت پرزور اسپیچ دی اور موجودہ حالات گزشتہ تواریخ وغیرہ وغیرہ سے ثابت کیا کہ کیفیت میں عورتوں کا اثر مردوں پر اس قدر ہے کہ یہ کہنا بجا نہیں کہ اصل میں دنیا کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہے۔ عورتیں ابتداء سے مردوں پر حکومت کرتی آئی ہیں اور ایسے مرد بہت کم ہیں جنہوں نے عورتوں کی خاطر اپنے خیالات اور اطوار کو نہیں بدلا ہے۔ جس وقت میں نے یہ پر مذاق جملہ کہا کہ ''دیکھو باوا آدم پر دادی حوا کے کہنے اور دلفریبی کا کتنا اثر ہوا۔'' تو ممبران جلسہ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔............ والد صاحب آپ کو حیرت اور خوشی ہوگی کہ اس تقریر کا کیا نتیجہ ہوا۔ جس وقت میں بیٹھا پہلا مخالف کھڑا ہوا اور کہا ''مسٹر مہدی کی پرزور تقریر کے بعد میں اپنی مخالفت واپس لیتا ہوں۔'' اور جس وقت ووٹ لیے گئے تو ہر شخص نے موافق رائے دی اور کھیت میرے دوست کے اور میرے ہاتھ رہا۔ والد صاحب دل بے اختیار تڑپتا ہے کہ ہندوستان میں کب آنا ہوگا اور بحث کرنے اور دلائل پیش کرنے کا موقع ملے گا۔''

مہدی

۱۲/اگست ۱۸۸۷ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص۱۱۲-۱۱۳]

---

[۲۴]

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

میرا منشاء محض بارسٹری کی سند حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ پورے طور پر مقنن اور قانون داں ہونا ہے۔ کیمبرج کا امتحان البتہ مشکل ہے اور وہاں قانون کی ڈگری میں آنر لینا

آسان نہیں ہے۔مگر اللہ سے امید ہے کہ مجھ کو کیمبرج کا بی،اے۔ایل،ایل،بی دونوں ملے گا۔ بعدازاں مجھ کو تین برس میں ہندوستان بیٹھے بیٹھے ایم،اے اور ایل،ایل،ایم۔کی ڈگری مل جائے گی۔اوراس کے پانچ برس بعد انشاء اللہ ایل،ایل،ڈی ہو جاؤں گا اور ڈاکٹر [یعنی حکیم علوم] کا خطاب ملے گا۔ولایت میں ایم،اے وغیرہ کا امتحان نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص جو بی،اے ہوتا ہے تین سال کے بعد ایم،اے ہو جاتا ہے۔

مہدی

۷/اکتوبر ۱۸۸۷ء

[ماخذ: ادیب علی گڑھ جولائی اگست ۱۹۶۳ء ص ۹]

---

[۴۵]

''اے میرے باپ! میری بڑی تمنا یہ ہے کہ خدائے پاک مجھ کو اس قابل کر دے کہ میں آپ کو مکروہات زمانہ کی تکالیف سے سبکدوش کر سکوں۔میرے لئے عید کا دن وہ ہوگا جب میں آپ کو فارغ البال دیکھوں گا اور جب اس قابل ہوں گا کہ آپ سے یہ کہہ سکوں کہ ''اے میرے پیارے باپ اب آپ کام نہ کیجئے۔آپ کا بیٹا مہدی سب کچھ کرے گا، اب آرام کیجئے۔''
............والد صاحب علاوہ اس مہر پدری کے جو باپ کو بیٹے کی طرف ہمیشہ ہوتی ہے۔آپ نے میرے ساتھ ایک خاص محبت رکھی ہے اور جو محنت اور خرچ آپ نے میری عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کے بارہ میں برداشت کیا ہے اس کی نظیر کم مل سکتی ہے۔یہ صرف آپ کے عمدہ خیالات اور مجھ کو اعلیٰ تعلیم دینے کا اثر ہے کہ میں حافظ ہوا۔میں نے فارسی پڑھی، میں نے عربی پڑھی، میں نے انگریزی میں علوم حاصل کیے اور بارسٹر ہوں............اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ باتیں مہدی کو کیونکر حاصل ہیں تو اس کا مختصراً جواب بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ مہدی کے پیارے باپ نے اس کی تعلیم عمدہ طور پر انجام دی۔والد صاحب! مبارک ہے وہ باپ جو اپنے بیٹے کو ایسی تعلیم دے اور مبارک ہے وہ بیٹا جو اپنے ایسے باپ پر فخر کرے۔اے اللہ اب مجھ کو اس قابل کر کہ میں اپنے پیارے باپ کی

خدمت پورے طور پر کر سکوں اور اپنا فرض ادا کروں۔''

مہدی

۲؍فروری ۱۸۸۸ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۳]

---

[۲۶]

''برادر مکرم مولوی محمد شبلی صاحب کا حال اگر کچھ معلوم ہوتا ہے تو صرف آپ کے خطوط کے ذریعہ سے۔ اگر وہ مجھ کو قابل خطابت نہیں سمجھتے تو مجبوری ہے۔ میں ان کا وہی چھوٹا بھائی ہوں۔ امید ہے کہ اگر وہ مجھ میں کوئی خاص قابلیت نہیں پاتے تو بوجہ اس کے کہ میں ان کا بھائی ہوں مجھ کو نہ بھولیں گے۔ والد صاحب اگر انہوں نے میرا خیال اس وجہ سے کیا کہ میں قابل ہوں تو کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔ قابلیت کی وجہ سے تو بیگانے بھی اپنے ہو جاتے ہیں۔ تعریف کی بات تو یہ ہے کہ ہم کسی قابل نہ ہوں اور پھر بھی ہم کو لوگ نہ بھولیں۔ اپنے بڑوں سے مجھ کو یہ امید ہے آئندہ۔ **واللہ اعلم بالثواب**

مہدی

۷؍اکتوبر ۱۸۸۸ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۶]

تصویر شیخ مجیب اللہ
گروپ فوٹو

[۲]

بنام شیخ مجیب اللہ(۱)

[۱]

عم مکرم!   تسلیم

میں نہایت خوشی کے ساتھ لکھتا ہوں کہ آپ لوگوں کی دعا سے ہم بخیر و عافیت یہاں تک پہنچے، جہاز پر اول اول لوگ ضرور بیمار ہوتے ہیں مگر خدا کے فضل سے ہم بہت اچھے رہے، موسم بہت اچھا ہے اور تمام راہ میں بہت اچھا رہا ہے، ہاں بحر احمر میں گرمی بہت تھی، دو پہر کو تمام لوگ باولے ہوکر ادھر ادھر پھرتے تھے، اب خوب ٹھنڈا ہے اور سمندر کی ہوا نہایت ہی راحت افزا ہے۔

کل ہم مصر جائیں گے اور پرسوں اسکندریہ پہنچیں گے۔ امید ہے کہ ۲۰؍ تک لندن پہنچ جائیں۔

جہاز پر جتنے انگریز اور میم سوار ہیں سب ہمارے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور بہت تلطف اور مدارات کرتے ہیں۔ ہم ۷؍ اپریل کو عدن پہنچے تھے، چوں کہ وہاں قرنطینہ جاری ہے۔ اس وجہ سے ہم لوگ جہاز سے اتر نہ سکے، مگر ہم نے عرب کی زمین دیکھی اور ہم نہیں بیان کر سکتے کہ اس وقت کس قدر جوش دل میں بھرا تھا، دل میں ایک روحانی مسرت جلوہ افروز تھی۔ دو چار انگریزوں نے ہم سے کہا کہ ''یہ عرب کی زمین ہے۔'' ہم نے کہا کہ ''جی ہاں، یہ وہی مقدس زمین ہے جس کا ہر ذرہ آفتاب سمجھا جاتا تھا اور وہ تلوار اسی مقام کی تھی، جس نے تمام عالم کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا تھا'' تمام انگریز ہماری طرف حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ایک انگریز نے ہم سے یہ بھی کہا کہ ''تم تو مہدی ہو، تم کیوں نہیں امامت کا دعویٰ کرتے؟ میں نے کہا کہ

''افسوس میں قریش نہیں ہوں اور شاید المہدی بھی نہیں ہوں۔''اس پر خوب قہقہہ ہوا۔

ہم نے افریقہ بھی دور سے دیکھا، یہ سب ملک پہاڑی معلوم ہوتے ہیں، مصر میں کثرت سے پہاڑ ہیں، افسوس کہ ہم مصر کی سیر پورے طور سے نہیں کر سکے، مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہوا اس ملک کا بہت تھوڑا سا حصہ شاداب ہے، باقی اور تمام زمین ویران اور پتھریلی ہے، ہم نے دور سے کوہ سینا یعنی کوہ طور بھی دیکھا جہاں حضرت موسیٰ کو توریت ملی تھی۔

سمندر کے نیچے نیچے بالکل پہاڑ ہیں اور اکثر مقامات پر وہ نمایاں بھی ہیں۔ بہت سے جہازات ذرا سی غفلت سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بہت سے تیرتے، ٹوٹے اور شکستہ جہازات ادھر ادھر دیکھے۔

جہاز پر ہر ایک قسم کا آرام میسر ہے، کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔

دو روز سے خوب سردی رہتی ہے۔

میرا وقت جہاز پر تین طور سے کٹتا ہے، کتاب سے، شطرنج سے، باتوں سے۔

جہاز پر اکثر انگریز شطرنج کھیلتے ہیں، ہم نے چند انگریزوں کو مات دی۔

ہمارے جہاز پر ایک لارڈ [یعنی انگریز نواب] ہیں اور یہ ہندوستان میں فوج کے سکریٹری ہیں، نہایت ہی بامذاق اور لطیفہ گو صاحب ہیں، ہم سے بھی اکثر مذاق کرتے تھے۔ پرسوں مجھ سے کہنے لگے ''ہمارے ساتھ شطرنج کھیلو مگر اپنا فرزین اٹھا کر''...... چونکہ انگریزی میں فرزین مہرہ کا نام ملکہ ہے اس لئے میں نے جواب دیا کہ ''بھلا ملکہ بغیر ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم کو تو ملکہ کا بڑا زور ہے۔''اس پر بہت ہنسے اور کہا کہ خوب پرلطف جواب ہے۔

باوجود ان تمام آرام کے میرا دل اکثر آپ لوگوں میں رہتا ہے، اور چوں کہ کچھ نہیں معلوم ہے کہ آپ لوگ کیسے ہیں اور وہاں کا کیا حال ہے۔ اس وجہ سے اور متفکر رہتا ہوں۔

امید ہے کہ آپ بغور ملاحظہ اس عریضہ کے ایک مفصل خط مجھ کو لکھیں گے، لفافہ انگریزی میں ہونا چاہئے اور ڈاک خانہ سے ایک ٹکٹ ولایت کا قیمتی ۴/ منگا کر چسپاں کر دیجئے گا اور زیادہ کیا لکھوں۔ ولایت پہنچ کر انشاء اللہ مفصل خط لکھوں گا۔ سب کو سلام۔ نام کہاں تک

گناؤں۔بس سب کو سلام۔کوئی باقی نہ رہ جائے۔

آخر میں آپ کو پھر تسلیم۔ راقم

مہدی حسن

نہر سویز،مصر، جہاز سیام

۱۲رمئی روز شنبہ ۸۵ء۔وقت ۴ بجے شام

پتہ یہ ہے:

Mr. Mehdi Hassan
C/o Henry S.King & Co
65 Cornhill street.London England

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ، دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۴-۱۵]

---

[۲]

مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ جب میں ہندوستان میں تھا تو عزیزی محمد نعمان کی شادی کی گفتگو درپیش تھی۔ چچا میاں میرے خیال میں اس سے بڑا کوئی ظلم ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمارے ہندوستان میں بچپن کی شادی کی رسم رائج ہے۔فرض کیجئے کہ ایک لڑکا لڑکی کی شادی ایام طفولیت میں ہوگئی۔ بڑے ہونے پر لڑکا یا لڑکی کا دل کسی اور سے بیاہ کرنے کو چاہتا ہے۔اب کیا کریں۔اگر دوسری شادی کرتے ہیں تو پہلی پر ظلم ہوتا ہے مگر نہیں کرتے تو خود اپنے پر ظلم ہوتا ہے۔ان کے والدین نے سن تمیز سے پہلے ہی ایک سخت اور مضبوط رسی گلے میں باندھ دی ہے۔ چچا صاحب آپ اپنے سب لڑکوں پر یہ ظلم کر چکے ہیں۔اب ایک نعمان رہ گیا ہے اس پر تو رحم کیجئے۔مجھ سے اکثر لوگوں کے یہاں اس موضوع پر گفتگو آئی ہے۔ یہاں لوگوں کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ لڑکوں کے ماں باپ ان کے میاں یا بیوی تلاش کرتے ہیں۔ایک لیڈی نے ایک دن مجھ سے کہا کہ لڑکے کا باپ اس کی بیوی جو تجویز کرتا ہے تو اپنے لئے یا لڑکے کے لئے۔ میں نے کہا کہ لڑکے کے لئے۔اس پر اس لیڈی نے مجھ سے حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ باپ اور بیٹے دونوں کی پسند اور تجویز ہمیشہ یکساں ہوتی

ہے۔ میں نے کہا کچھ ضرور نہیں کہ یکساں ہو۔اس پر وہ بولی کہ لڑکا اس کو پسند نہ کرے تو باپ کیا کہتا ہے؟ ''ارے کمبخت تجھے پسند ہو یا نہ ہو مجھے تو پسند ہے۔'' چچا صاحب میں حقیقت میں اس فقرہ کو سن کر شرمندہ ہو گیا۔ پس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کسی لڑکے کی شادی نہ کیجئے۔ وہ خود دیکھ لیں گے۔ آپ کا فرض ان کو تعلیم دینا ہے اور کیا لکھوں۔ اب آپ ہی کچھ بندول شریف اور اعظم گڑھ کے احوال لکھئے۔ سنتا ہوں کہ آج کل ہمارے بندول پاک میں بیواؤں میں شادی کی بڑی دھوم ہے۔ بہت سے بوڑھوں کو بھی نئے بیاہ کا سودا سمایا ہے۔ خیر اگر کسی بوڑھی بیوہ سے شادی کریں تو مضائقہ ندارد لیکن اگر میں یہ سنوں گا کہ کسی بوڑھے نے ایک نوجوان لڑکی سے بیاہ کیا تو میں خدا سے یہ دعا مانگوں گا کہ اے اللہ اس لڑکی کو موت دے اور اس بوڑھے کو کیا کہوں کہ کیا سزا ملے۔ چچا صاحب میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں جو کچھ دل میں آتا ہے لکھ بیٹھتا ہوں۔ معاف فرمایئے گا۔''

مہدی

۲؍اپریل ۱۸۸۶ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۰۷-۱۰۸]

تعلیقات و حواشی

(۱) شیخ مجیب اللہ علامہ شبلی اور مہدی حسن کے چچا تھے۔ فارسی اچھی جانتے تھے۔ علامہ شبلی کے ان کے نام ایک فارسی اور تین اردو خطوط مکاتیب شبلی میں شامل ہیں۔ انہی نے علامہ شبلی کے ابتدائی رسالہ اسکات المعتدی علی انصات المقتدی کے اخراجات طباعت اٹھائے تھے۔ مولانا شبلی نے ایک خط میں اس کا ذکر کیا ہے۔

[۳]

بنام شبلی

[۱]

بھائی صاحب!   تسلیم

میں یہاں بہت اچھی طرح سے ہوں۔کل ہمارا جہاز شام کے وقت یہاں سے لنگر کھولے گا۔خیر جو ہو سو ہو۔بندہ بھی دل مضبوط کر کے **بسم اللہ مجریھا و مرساھا** . [اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے] کہتا ہوا اس میں کود ے گا۔

بمبئی بھی عجیب و غریب شہر ہے۔آپ لوگ تو کسی خراب حصہ شہر میں ٹھہرے ہوں گے، میں یہاں اس ہوٹل میں مقیم ہوں جو بمبئی میں اول ہے،خود اس کی عمارت لا جواب ہے تا ہم اس کے مقابل جو باغ ہے اور اِدھر اُدھر شہر کی نامی عمارتیں جو آسمان سے باتیں کر رہی ہیں او ربھی دلفریب ہیں۔

یہاں تمام لوگ تھوڑی بہت انگریزی جانتے ہیں،خود ہمارا نوکر ہمیشہ انگریزی میں باتیں کرتا ہے، بلکہ اردو میں گفتگو نہیں کر سکتا۔شہر میں جس قدر دکاندار، قلی، یا شریف آدمی سے سابقہ پڑا سب انگریزی میں بولتے ہیں،میرے خیال میں بمبئی ولایت کا عمدہ نمونہ ہے۔

یہاں کے لوگوں میں تیزی، چستی، ضبط اوقات، بالکل ولایتی لوگوں کے مانند ہے۔خیر اس وقت میں ان باتوں کو مشرح نہیں بیان کر سکتا۔

میں نے یہاں ایک سوٹ تیار کرایا ہے، بہ ظاہر کچھ نہیں ہے مگر ساٹھ روپیہ بیٹھ گئے ہیں،اسی طور سے تمام چیزیں یہاں گراں ہیں اور بالخصوص ولایتی دکانوں میں۔

کل شام کو بیگ صاحب (۱) جسٹس اسکاٹ اور ان کی میم صاحبہ سے ملاقات کرانے کو ہمیں ان کے یہاں لے گئے، جسٹس اسکاٹ یہاں ہائی کورٹ کے جج ہیں اور کچھ عرصہ تک مصر میں بھی بعہدہ ججی ممتاز رہ چکے ہیں۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو جج صاحب اور میم صاحبہ دونوں باہر سیر کرنے کو جا چکے تھے، چنانچہ ہم وہاں ٹھہرے، اس عرصہ میں ہم لوگوں نے ان کی کوٹھی دیکھنی شروع کی، اولاً تو یہ بنگلہ ایسے عمدہ موقع پر ہے کہ اس سے عمدہ ذہن میں نہیں آ سکتا، سمندر کے کنارے ایک نہایت اونچا پہاڑی ٹیلہ ہے، اس پر یہ بنگلہ نہایت خوبصورت طور پر تیار ہوا ہے، اس بنگلہ کی وضع نہایت ہی عجیب وغریب ہے، میں نے آج تک ایسی عمارت نہیں دیکھی، اس کے برآمدہ میں بیٹھ کر سمندر کی سیر ایسی دلکش ہے کہ میں نہیں بیان کر سکتا، جب کہ ہم وہاں بیٹھے تھے تو ٹھیک ہماری سیدھ میں آفتاب غروب ہوتا معلوم ہو رہا تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سرخ انگارہ کا گولا ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہے، جس وقت آفتاب سمندر میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا، ایک عجیب سنہرا پن ہر چہار طرف پھیل گیا، مجھ کو خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ اس درمیان میں جسٹس صاحب معہ میم صاحبہ کے آ گئے، ہم ان سے ملنے کو بڑھے، پہلے تو بیک صاحب نے لیڈی اسکاٹ صاحبہ سے ملاقات کرائی اس کے بعد جسٹس اسکاٹ سے۔ انگریزوں میں یہی دستور ہے، لیڈی صاحبہ ہم کو کمرہ کے اندر لے گئیں اور ایک عمدہ کرسی پر بیٹھنے کو کہا، میں اور کاظم حسین (۲) لیڈی صاحبہ کے پاس بیٹھے اور بیک صاحب جسٹس اسکاٹ صاحب کے پاس۔ میں اس لیڈی کی خوش اخلاقی کی تعریف نہیں کر سکتا۔ ازبس دلفریب طریقہ سے گفتگو کرتی ہے، ہر ہر بات کے بعد مسکرانا اور ہنسنا ضرور تھا، ہمارے حالات پوچھے، بیچ بیچ جسٹس صاحب بھی تھوڑا بہت بول اٹھتے تھے، یہ لیڈی صاحبہ ہندوستانی عورتوں کی بڑی خیر خواہ ہے اور ان کے ساتھ ایک خاص الفت ظاہر کرتی ہے۔ ہمارے یہاں پہنچنے سے چار دن پہلے انھوں نے ایک پارٹی ہندوستانی اور انگریزی لیڈیوں کی بنائی ہے، ان کا بیان تھا کہ قریب سوا سو سب لیڈیاں تھیں جس میں تین یا چار مسلمان بھی تھیں، یہ سب ہندوستانی لیڈیاں انگریزی میں عمدہ طور سے گفتگو کرتی تھیں اور سب نے مل کر ایک ساتھ کھانا کھایا۔ بہر حال یہ لیڈی صاحب مجھ کو اسی قدر یا شاید زیادہ بھلی معلوم ہوئی جس قدر آپ کو

لیڈی بلنٹ صاحبہ۔(۳)

لیڈی صاحبہ نے ہم سے پوچھا کہ آپ چائے یا قہوہ پیویں گے، ہم نے چائے کے لئے کہا، اس پر لیڈی صاحبہ نے جسٹس صاحب کی طرف اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر گئے اور چائے تیار کرا کے منگائی، ہم سب لوگوں نے ایک ساتھ پیا اور درمیان میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ خیر میں کہاں تک لکھوں، چائے پینے کے بعد جسٹس صاحب سے مجھ سے گفتگو شروع ہوئی۔

جب ہم لوگ چلنے لگے تو لیڈی صاحبہ نے مجھ سے ہاتھ ملا کر یہ کہا کہ ''تم وہاں ضرور اس بات کی کوشش کروگے کہ نامور شخص ہو، تم کو اپنی قوم کی حالت درست کرنی فرض ہے۔'' اور آخر میں دعائیہ طور پر یہ فقرہ کہا کہ ''تم وہاں چمکو اور بامراد اپنے ملک کو واپس آؤ اور امتیاز حاصل کرو۔'' جسٹس صاحب سے جب ہم رخصت ہونے لگے تو انھوں نے مجھ سے یہ کہا کہ ''غالباً تم انگلستان کو پسند کروگے'' اور یہ بھی کہا کہ تمہارا کیمبرج جانا بہت عمدہ بات ہے۔ آخر میں انھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ''چند دنوں کے بعد تم ضرور کوشش کروگے کہ ہائیکورٹ کے جج ہو جاؤ'' میں نے کہا کہ ''کوشش تو ضرور کروں گا بشرطے کہ کامیاب بھی ہوں'' اس پر مسرت کا قہقہہ ہوا اور سب نے مل کر کہا کہ ''ضرور ضرور'' خیر ہم وہاں سے آئے اور یقیناً اس طرز برتاؤ سے ایسا خوش ہوئے جس قدر کہ ممکن ہے۔

جسٹس اسکاٹ کا مکان بھی اس قدر آراستہ تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتا، اکثر برتن جو بطور آرائش رکھے تھے، ان پر عربی زبان میں کچھ کندہ تھا، کمرہ کے ایک طرف ہمارے آنریبل سید صاحب کی بھی تصویر تھی۔(۴)

لیڈی اسکاٹ صاحبہ سید صاحب کی عالی دماغی وغیرہ پر نہایت حیرت اور خوشی ظاہر کرتی تھیں اور کہنے لگیں کہ میں ان کی لائف ضرور خرید کروں گی۔

خیر اب ان قصوں کو تہہ کرتا ہوں، آپ مجھ کو خط جلد لکھئے گا، ولایت پہنچنے اور وہاں سے خط آنے کا انتظار نہ فرمایئے گا۔ اگر آپ مجھ کو اس ہفتہ میں خط لکھیں گے تو مجھ کو ولایت پہنچنے سے ایک ہفتہ بعد وہ مل جائے گا۔ یہ خط والد صاحب کو بھی دکھلا سکتے ہیں۔ ذیل کے پتہ سے مجھ کو خط لکھیں۔

عریضہ

مہدی

بمبئی، واٹسن ہوٹل

۳۰/اپریل روز پنجشنبہ

وقت ۸ بجے صبح ۸۵ء

Mr. Mehdi Hassan
C/o Henry S.King & Co
65 Cornhill street.
Landon, England.

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ نومبر ۱۹۶۳ء ص ۱۹-۲۰]

---

[۲]

بھائی صاحب!   تسلیم

میں اس ملک میں آ گیا ہوں جو اپنے علم وتہذیب کے لئے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔ میرے خیال میں دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لندن میں نہ ہو، اگر آپ یہ چاہیں کہ ہم اعلیٰ درجہ کی شائستگی، اخلاق، محبت، انسانیت، صفائی، امارت، عمارت، حسن، علم، دولت تمام خوبیوں کو کسی اونچے ٹیلہ سے دیکھیں تو وہ بلند مقام اسی لندن میں مل سکتا ہے۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو کہ بدمعاشی، بدچلنی، قزاقی، دغابازی، فریب، دنیا بھر کی برائیوں کو شکلِ مجسم میں معائنہ کریں تو وہ لندن ہی کی سڑکوں پر ممکن ہے۔

آپ خود خیال فرما سکتے ہیں کہ وہ شہر جس میں چار ملین آدمی رہتے ہیں کیسا ہوگا، مجھ کو تو ایک چکا چوند کی سی کیفیت ہو رہی ہے اور دراصل میری آنکھیں اب تک اس قابل نہیں ہیں کہ کچھ تصفیہ کر سکوں۔

میرے خیال میں لندن میں بہت سی برائیاں ضرور ہیں مگر میں ان کو یہاں کی خوبیوں کے مقابل میں کچھ نہیں سمجھتا۔

جس قدر عمدہ باتیں لندن میں ہیں اس سے زیادہ ہونا غیرممکن ہے اور وہ یقیناً یہاں کی برائیوں کے حق میں مکافات سے بہت زیادہ ہیں۔ دراصل یہ ایک نئی دنیا ہے اور یہاں کے لوگ معمولی طبقہ انسان سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔

ہر شخص یہاں ویسا ہی آزاد ہے جیسا نیچر کا اقتضاء ہے۔ کوئی کسی کا ماتحت، رعایا، غلام نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہر شخص کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ یہاں مسٹر گلیڈ اسٹون (۵) اور ایک معمولی کام کرنے والی لونڈی میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔ ان دنوں لوگ مسٹر گلیڈ اسٹون سے ناراض ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ معمولی دکاندار بلاتکلف اُن پر نکتہ چینیاں کرتا ہے۔ لوگ شام کو برابر سڑکوں پر بآواز بلند پکارتے ہیں کہ آج رات کو گلیڈ اسٹون کو پارلیمنٹ سے نکال دینا چاہئے۔

ایک عجیب بات جو اس ملک میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہاں حاکم نہیں معلوم ہوتا، کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مجسٹریٹ صاحب کون ہیں اور جج بہادر کہاں رہتے ہیں، البتہ سڑکوں پر پولیس کے لوگ ادھر ادھر ٹہلا کرتے ہیں مگر آپ کو سخت حیرت ہوگی جب میں یہ کہوں گا کہ انگلینڈ میں سب سے زیادہ خوش اخلاق فرقہ پولیس کا فرقہ ہے۔ یہاں یہ لوگ اپنی نیک مزاجی کے لئے از بس مشہور ہیں۔ جب میں ہندوستانی پولیس کا خیال کرتا ہوں تو بے ساختہ میرے دل سے نکلتا ہے کہ شتان بینہما۔

اتنا بڑا تو شہر ہے اور کوئی سڑک ایسی نہیں ہے جس پر ہزاروں مرد اور عورت ہر دم تیز تیز نہ چلتے ہوں، شور وشغف مطلقاً نہیں ہوتا، ہاں گاڑیوں کی ریل پیل بھی قابل دید ہے۔ لوگ ہر ہر منٹ کی قدر کرتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں جب کسی سے پوچھئے کہ فلاں مقام کتنی دور ہے تو وہ بتلائے کہ دو میل یا چار میل، لیکن یہاں فاصلہ کو یوں نہیں بیان کرتے، وہ یوں کہیں گے کہ پانچ منٹ یا دس منٹ کا راستہ ہے۔ آپ اس طرز جواب سے کیا سمجھ سکتے ہیں؟ بس اسی ایک جواب سے آپ خیال کرسکتے ہیں کہ یہاں ہر جگہ وقت کی پرستش ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں جب یہ

کہیں گے کہ فلاں شخص فضول خرچ نہیں ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ روپیہ کا بہت خیال رکھتا ہے لیکن اس لندن میں یہ فقرہ روپیہ اور وقت دونوں کو شامل کرتا ہے۔ اللہ اکبر

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

یہاں کے لوگ جس شستگی اور خوبی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں وہ بہت کچھ قابل مدح اور .... ہے۔ مکالمہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی کا چہرا ہنستا ہوا ہو، ہر ہر بات پر تبسم ضروری ہے، متکلم کو ہمیشہ ایسی بات کہنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے سامع کو لطف حاصل ہو، لیڈیاں جب گفتگو کریں گی تو ہنس کر، اگر ہم کسی لیڈی سے کوئی بات پوچھیں اور اس کے جواب میں اس کو صرف یس یا نو (ہاں یا نہیں) کہنا ہو تب بھی وہ مسکرا کر نہایت لطافت سے یہ الفاظ ادا کرے گی۔

نفاست اور صفائی تو بات بات میں ملحوظ ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی چیز اب تک مجھ کو ایسی نہیں نظر آئی جس میں اعلیٰ درجہ کی صفائی نہ رکھی گئی ہو۔ مکان میں تمام چیزیں جس قرینہ اور خوش اسلوبی کے ساتھ رکھی ہوتی ہیں اس کو دیکھ کر اگر تمام لوگ نہیں تو ایک ہندوستانی تو ضرور دنگ ہو جائے گا۔

میں اس خط میں کہاں تک تعریف لکھ سکتا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ ایک خط میں دو چار چیزوں کا بھی مفصل حال لکھنا محال ہے، اس لئے میں آئندہ سے جب آپ کو خط لکھوں گا تو صرف ایک کسی خاص معاملہ کی نسبت لکھوں گا اور صرف اس طور پر پورا نقشہ کسی چیز کا آپ کے سامنے کھینچ سکتا ہے۔ میرا فرض تھا کہ قبل حالات انگلستان کے، راہ کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھتا، لیکن افسوس کہ ولایت کا منظر اس طرح سے پرزور ہو گیا کہ میں نے پچھلے حالات کے لکھنے کا کچھ بھی ہوش نہ رکھا تاہم اب ضروری ہے کہ میں شروع سے اپنا خط لکھوں اور اگر طبیعت نہ گھبرائے تو اس کے بعد پھر ولایت کا حال لکھوں گا۔

سمندر کا حال یا جہاز کی مفصل کیفیت لکھنی فضول ہے، تاہم اس قدر کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ ہمارا سفر نہایت آرام سے ہوا۔ جہاز پر ایک قسم کا آرام تھا، تمام انگریز ہمارے ساتھ نہایت سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے، اور دو چار سے تو ازبس بے تکلفی ہو گئی تھی۔ ہم نے بحر عرب، بحر

احمر، بحرقلزم وغیرہ وغیرہ سب دیکھا، ہم نے عدن، افریقہ، سیریا،مصر، سویز، اسکندریہ، اٹلی، فرانس کو بھی تھوڑا تھوڑا دیکھا۔ مصر ایک اچھا ملک ہے، بہت سے مقامات پتھریلے ہیں لیکن جن مقامات میں سبزی وشادابی ہے، وہ بالکل ہندوستان کی مانند ہے، مصر کے کھیتوں اور باغوں میں بالکل ہندوستان کا عکس ہے، یہاں مردوں کی پوشاک وہی لمبی لمبی عبائیں اور بھاری بھاری دستاریں بالکل عرب کی مانند ہے۔ یہاں کا ایک کسان یا قلی بھی مولوی معلوم ہوتا ہے۔ عورتوں کی وضع نہایت ہی بے ہودہ ہے۔ سیاہ کرتا جوان کے گھٹنوں سے بہت نیچا ہوتا ہے، زیب تن رہتا ہے، پائجامہ شرعی، چہرہ پر ایک بدسلیقہ نقاب، آنکھ کھلی ہوتی ہے اور اس کے نیچے ایک لمبا سا ٹکرا لٹکا ہوتا ہے جس کو میں نے یہ سمجھا ہاتھی کی سونڈ ہے۔ بہت سی عورتوں کی ناک پر ہندوستانی پنکھ کی پھونپھی کی مانند ایک چیز بندھی ہوئی ہے اور جو عورتیں بہت تکلف کرتی ہیں تو ان کے اس زیور کے نیچے چند کوڑیا بھی لٹکا کرتی ہیں، میری طبیعت تو نہایت متنفر ہوئی۔ بعض عورتیں نقاب نہیں اوڑھتیں اور بعض شرعی پائجامہ کے لہنگا پہنتی ہیں، یہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ گورے چٹے ہوتے ہیں اور دور سے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں، اکثر عورتوں کی آنکھ ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ اٹھتے آئی ہے۔ میرے خیال میں بہ نسبت عورتوں کے یہاں کے مرد زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں مگر ہر ایک کے حالات سے ادبار اور نکبت صاف نمایاں ہے، البتہ مزاج میں تندی اور دلوں میں دلیری زیادہ ہے، یہاں کا قلی بھی کسی سے ڈرتا نہیں، اس کی گفتگو نہایت بیباکانہ ہوتی ہے۔

اسکندریہ طے کرنے کے بعد ہم بحرقلزم (٦) میں پہنچے۔ یہ سمندر بہت موجزن تھا اگر چہ ہم کو قے نہیں ہوئی تاہم دوران سر بہت تھا۔ ہم نے دور سے جزیرہ کریٹ کو دیکھا جو سلطان کا ہے اور یہی سرحد ٹرکی ہے۔ اس کے بعد ہم یونان پہنچے۔ لڑکپن میں ہم سنا کرتے تھے کہ انگریز جب ولایت سے ہندوستان آتے ہیں تو یونان ان کی راہ میں پڑتا ہے اور وہ وہاں جا کر پہاڑوں کے درّوں میں جھانکتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی عقل بڑھ جاتی ہے۔

افسوس ہے کہ میں اس پہاڑ پر نہیں گیا، جہاز کو وہ جنبش تھی کہ میرا سر کبھی آسمان پر جاتا تھا اور کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی زمین پر کسی نے پٹک دیا ہے۔ بہرحال دماغ خراب تھا اور اس کو

یونان کا مدنظر[منظر؟] اچھا نہ کرسکا۔

اب میں ایک ایسے ملک کا ذکر کرتا ہوں جس کی اصلی تعریف کرنے کے لئے میں، میری اور میرے قلم کی زبان باالکل قاصر ہے۔ یہ ملک اٹلی کا ہے۔سبحان اللہ۔اگرفردوس....... ...الخ

اٹلی ایک ایسا ملک ہے جو اپنی آب وہوا کے لئے نظیر نہیں رکھتا۔اس ملک میں نہ تو بہت گرمی ہوتی ہےاور نہ بہت سردی۔ازبس معتدل مقام ہے۔لوگ یہاں کے نہایت ہی خوبصورت اورقوی ہوتے ہیں۔مرد اپنی جامعیت، وجاہت،قوت اور دلیری میں مست ہیں اورعورتیں اپنے حسن، رنگ وروپ،نزاکت پر نازاں ہیں۔مکانات نہایت عمدہ اور عالیشان، زمین یہاں کی خطہ کشمیراور کشتِ زعفران پر چشمک مارتی ہے۔اس کے لہراتے کھیتوں، سرسبز درختوں، برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کا وصف کس سے بیان ہوسکتا ہے۔تمام زمین پرفرشِ زمردیں بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔جنگل کے قطعے بالکل ہندوستان کے آراستہ باغوں کے سے ہیں۔نہایت حیرت ہوتی ہے کہ ان مقامات میں ایسی آراستگی کس نے کردی ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ نیچر کا ہاتھ سب سے قوی ہے۔ پہاڑ نہایت ہی بلند اور اکثر ان کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی ہیں، جب آفتاب کی شعاع ان پر پڑتی ہے تو عجیب عجیب خوش رنگ پیدا ہوتے ہیں، میں نے جتنی چیزیں یہاں دیکھیں ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خوبی تھی اور اصل تو یہ ہے کہ:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا ست

جہاں قدیم سلطنتِ رومیہ کی لڑائیاں ہوئی تھیں، قدیم زمانہ کے چند شکستہ قلعہ بھی دیکھے۔اللہ اللہ۔بس آثار پدیدست۔

ریل یہاں کی بہت خوبصورت ، میرے خیال میں بادشاہوں کے محل بھی اس قدر آراستہ نہ ہوں گے۔ ریل میں ایک نوکر بھی ہر گاڑی میں رہتا ہے۔سونے کے لئے نہایت عمدہ مسہری جدا جدا ہے۔ بہت سے مقامات پر ریل پہاڑ کے اندر اندر گئی ہے۔اس کوٹنل کہتے ہیں۔

ایک ٹنل سات میل کا تھا۔

اس کے بعد ہم فرانس پہنچے۔فرانس بھی نہایت عمدہ ملک ہے اور اس میں بھی ایک قسم کی دلفریبی ہے مگر وہ بات نہیں جو اٹلی میں ہے۔ یہاں کے لوگ میرے خیال میں بہت خوبصورت نہیں ہوتے مگر اپنی تراش خراش وغیرہ کی وجہ سے دلفریب ہیں۔

میں اس وقت زیادہ نہیں لکھ سکتا، البتہ ایک بات ضرور لکھنی ہے۔

جب ہم یورپ میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ایک صاحب بہادر ہل جوت رہے ہیں، دوسرے صاحب کو دیکھا ایک گھاس کا ٹوکرا سر پر رکھے چلے جارہے ہیں، میم صاحب ہیں کہ اسٹیشن کے پائخانہ میں جھاڑو دے رہی ہیں۔بس خیال آیا کہ اللہ تیری قدرت، کہاں ہندوستان کے صاحب لوگ اور کہاں ولایت کے مہتر اور بھنگی، تاہم بھائی صاحب! ان کے گھاس لادنے میں بھی ایک شان ہے اور ان کے جھاڑو دینے میں بھی ایک نئی ادا ہے۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

میں یہاں کے عجائب خانہ میں گیا، مصر کی قدیم مورتیں اور بڑے بڑے بادشاہوں اور خاتونوں کی ممی دیکھیں، قدیم شعراء، شاہانِ انگلستان کے قبرستان، دستی اور عکسی تصویرات کے ایوان وغیرہ وغیرہ مشہور مقامات کو دیکھا جن کا مفصل حال آئندہ لکھوں گا، پارلیمنٹ میں جانے کی تدبیر کر رہا ہوں۔

میں نہایت خوشی کے ساتھ لکھتا ہوں کہ میں ۲ر جون کو بارسٹری میں داخل ہو گیا اور کل شام کو وہاں بارسٹروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، اس ٹرم میں چھ بار مجھ کو ڈنر کھانا پڑے گا۔اس کی مفصل کیفیت آئندہ لکھوں گا۔

میں ایک دن کے واسطے کیمبرج بھی گیا تھا، اچھا مقام ہے، اکتوبر میں داخلہ ہوتا ہے اور اس وقت میرا امتحان بھی ہوگا، میں بالفعل اس کی تیاری کر رہا ہوں۔ بی اے آنرز کا امتحان داخلہ بہت مشکل کر دیا گیا ہے۔اس کے لئے میں مفصلہ ذیل مضامین تیار کر رہا ہوں۔

ریاضی۔ منطق۔ عربی۔ لاطن

لاطن اب بہت مشکل ہوگئی ہے، عربی میں مسٹر رابٹ کے منتخبات ہیں اور قرآن کی چند سورتیں۔

میں نے علی گڑھ گزٹ مطبوعہ ۵؍مئی ۱۹۸۵ء پڑھا جس میں جلسہ علی گڑھ کی روئداد چھپی ہے۔

مجھ کو افسوس ہے کہ لوگ ہندوستان سے میرے نام خطوط نہیں بھیجتے۔ پہلے ہفتہ میں ایک خط والد صاحب کا آیا، اس ہفتہ میں کسی کا خط نہیں آیا، آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے، خیر لوگ مجھ کو بھول گئے ہوں گے تو بھول گئے ہوں، میں سب کو یاد کرتا ہوں۔

حضرات ذیل کی خدمت میں شوقیہ سلام علیک۔

حافظ حبیب اللہ خاں صاحب اخوند۔ بھائی مولوی محمد سعید صاحب۔ حافظ حسنین صاحب اور ان کے محرر مرزا صاحب۔ منشی خدا بخش صاحب۔ مولوی محمد عمر صاحب۔ منشی محمد سمیع صاحب محرر متفرقات۔ مولوی محمد سلیم صاحب مرزا پوری۔ چچا صاحب۔ ماموں صاحب نیشنل اسکول کے جمیع طلاب۔ ہمارے منشی باسدیو سہائے صاحب۔

آپ کو بہت بڑی تسلیم

مہدی

۵؍جون ۱۸۸۵ء

رسل اسکویر

Mr. Mehdi Hassan
C/o Henry S.King & Co
65 Cornhill street.
London, England.

[ماخذ: ماہنامہ ادیب علی گڑھ دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۱۵-۱۹]

[۳]

بھائی صاحب! تسلیم

''مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ عرصہ دراز سے کوئی خط آپ کو نہ لکھا۔ مہینوں کا عرصہ ہوا کہ آپ کا ایک خط ملا تھا، اگر چہ یہ خط بظاہر ایک مختصر رقعہ تھا لیکن میرا خیال ہے کہ اگر کوئی واقف کار اس کی شرح لکھنے بیٹھے تو وہ ایک عظیم الشان مضمون کے پیرایہ میں شکل پذیر ہوسکتا ہے۔ مجھ کو افسوس ہے کہ آپ اب تک میری اس بے ادبی کو کڑوے دل سے یاد رکھتے ہیں جو مجھ سے ایسی حالت میں سرزد ہوئی تھی جب کہ میرا قلم قابو میں نہ تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس کو اب دل سے بھلا دیں گے۔ بھائی صاحب۔ آپ نے میری بہت سی تقصیریں معاف کی ہیں۔ ایک یہ بھی سہی۔ مجھ کو بڑوں اور بزرگوں سے یہی توقع ہے۔ آج میں معذرت کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ میری دل شکنی نہ کریں گے۔ **والعذر عند کرام الناس مقبول.** [اور عذر شریفوں کے ہاں قابل قبول ہے۔] آپ کو معلوم ہوگا کہ میرا امتحان بی.اے. بہت قریب ہے۔ سخت عدیم الفرصت ہوں۔ وقت نہیں کہ مطول خط لکھوں۔ عبدالرؤف (۷) کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ اس کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں جو خود کو انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ بھائی صاحب اجازت دیجئے کہ میں مبارک باد کہوں۔ شاید یہ پہلی مرتبہ ہے کہ میری اور آپ کی رائے متفق ہوئی۔ انگلینڈ میں اکثر ہندوستانی اس کانگریس کے حامی ہیں۔ اول جس نے مخالفت کی وہ آپ کا چھوٹا بھائی مہدی ہے۔ پہلے تو مجھ پر خوب اعتراض ہوئے مگر میں نے کیمبرج کے تمام مسلمانوں کو اپنے موافق کر لیا۔ سید صاحب [سرسید] کی اسپیچ میں نے خوب غور سے پڑھی۔ خدا ان کو زندہ رکھے۔ ایک ایک نقطہ گراں بہا ہے۔ افسوس ہے کہ سید صاحب زیادہ کوشش نہیں کرتے اور ان چند مسلمانوں کو جو ڈھل مل یقین ہیں راہ پر نہیں لاتے۔ بھائی صاحب افسوس کہ کثرت کار سے فرصت نہیں ملتی ورنہ میں چند آرٹیکل انگریزی اخبارات میں لکھتا اور اس کانگریس کی لغو اور بیہودہ درخواستوں کی اچھی طرح سے خبر لیتا۔ مجھ کو یہ سن کو افسوس ہوا کہ اکثر طلبائے علی گڑھ جو انگلینڈ سے تعلیم پا کر واپس گئے ہیں، سید صاحب کی رائے سے مخالفت کرتے ہیں اور

میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ان کو کوتہ اندیش بتلاتے ہیں۔ یہ بھی خوب ہے۔ان کو اپنی عقل کی دوا کرنا چاہئے۔ ان مسلمانوں سے زیادہ کسی کا کوتہ اندیش ہونا میرے خیال میں ناممکن ہے جو اس کانگریس کی درخواستوں کی حمایت کرتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں خدا ان کی ہدایت کرے۔ والد صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ نے کوئی رسالہ لکھنؤ کانگریس میں پیش کیا تھا(۸) اور والد صاحب نے اس کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ میں نے والد صاحب کو لکھا ہے کہ اس کی ایک کاپی میرے پاس جلد بھیج دیں۔ افسوس کہ میرے پاس اپنی کوئی تصنیف نہیں بھیجتے۔ آپ نے جو مثنوی مسدس حالی کے انداز میں لکھی تھی اب تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ بھائی صاحب اگر تکلیف نہ ہو تو ایک کاپی (بلکہ دو) اس مثنوی کی میرے نام جلد بھیج دیجئے۔ ......مجھ کو اس امر کا خیال رہتا ہے کہ ہندوستان آ کر کیا پالیسی اختیار کرنا بہتر ہوگا۔ اگرچہ میں اپنی اصل اور سچی رائے ظاہر کرنے میں بے دھڑک ہوں لیکن یہ مسئلہ بھی قابل غور و تامل ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان بارسٹر جو نیشنل کانگریس کے حامی ہیں، صرف اس وجہ سے ہیں کہ ہندو موکلوں کو خوش رکھیں۔ بھائی صاحب یہ امر اگر صحیح ہے تو یہ لوگ بڑے بے ایمان ہیں۔ علاوہ اس کے ان حضرات کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ اس شخص کی عزت نہیں ہوسکتی جس کی رائے اور خیال پر بھروسہ کرنا مشکل ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہاں اکثر ہنود میری رائے کے مخالف ہیں۔ بھائی صاحب میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ جو عزت یہ ہنود اور بنگالی میری کرتے ہیں اس کی نصف عزت بھی ان مسلمانوں کی نہیں کرتے جو مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ یہ جو کچھ ہوں میں نے کیمبرج کے تمام دوستوں کو نیشنل کانگریس کے خلاف بنالیا ہے۔ ہاں لندن کے مسلمان کانگریس کے موافق نہیں اور اس کی صرف وجہ یہ ہے کہ وہاں مسلمان ہندوؤں سے ملتے ہیں اور ان کی چکنی چکنی باتوں میں آجاتے ہیں۔ اس کے برخلاف کیمبرج کے مسلمان مجھ سے اکثر ملتے ہیں اور میری رائے پر اعتماد کرتے ہیں۔ میں نے ایک جلسہ میں ہندوؤں کو بھی کانگریس کے خلاف بنالیا تھا۔ اصل پوچھئے تو مغربی و شمالی ہندوؤں کو بھی کانگریس اوروں کی بہ نسبت زیادہ تر مضر ہے لیکن یہ غریب سمجھتے نہیں۔ انگریزوں کے ہاتھ سے عہدہ چھین لینا چنداں مشکل نہیں لیکن ایک بنگالی سب عہدوں پر آ گئے تو

پھر ہندو کہیں کے نہ رہیں گے۔ اب میں اس معاملہ کو تہہ کرتا ہوں۔ ہندوستان آ کر پھر یہ بستہ کھولوں گا۔ قبلہ سرسید صاحب کی خدمت عالی میں آداب عرض ہے۔ رقیمہ ادب

حسن مہدی

۲۹/ مارچ ۱۸۸۸ء

[ماخذ: ادب اور وابستگی ص ۱۱۴-۱۱۶]

تعلیقات و حواشی

(۱) بیگ صاحب: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۲) کاظم حسین: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۳) لیڈی بلنٹ: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۴) آنریبل سرسید احمد خاں [۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء] بانی ایم، اے، او کالج علی گڑھ

(۵) مسٹر گلیڈ اسٹون: وزیر اعظم برطانیہ

(۶) ڈاکٹر ابن فرید نے لکھا ہے کہ یہاں بحر قلزم کے بجائے بحیرۂ روم ہونا چاہئے۔

(۷) سید عبدالرؤف بیرسٹر ابن میر عبدالوہاب، قصبہ محمد آباد ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ محمد مہدی حسن کے ساتھیوں میں تھے۔ غالباً ۱۸۸۵ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے انگلینڈ گئے۔ ایم، اے، او، کالج علی گڑھ کی تعلیمی رپورٹ ۱۸۸۴-۱۸۸۵ء میں بیرسٹری کے لئے لندن جانے والوں میں ان کا بھی نام ہے۔ لندن سے واپسی کے بعد الہ آباد ہائی کورٹ میں انہوں نے وکالت کا شغل اختیار کیا۔ نواب وقار الملک نے انہیں ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ کالج کا ٹرسٹی مقرر کیا۔ مزید حالات دستیاب نہ ہوسکے۔

[ماہنامہ تہذیب الاخلاق مشاہیر علی گڑھ نمبر، بحوالہ ساجد نعیم ص ۲۸۰-۲۸۱]

(۸) مولانا شبلی کا مشہور مقالہ ''مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم'' جو انہوں نے سرسید کی موجودگی میں لکھنو کی شاہی بارہ دری میں پڑھا تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں آثار شبلی، مطبوعہ دار المصنفین ۲۰۱۳ء

اشاریہ

اشخاص

کتب ورسائل

مقامات

کتابیات

کتب

۱۔ آثارِ شبلی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء

۲۔ ادب اور وابستگی، ڈاکٹر سید عبدالباری، دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۸۵ء

۳۔ اشاریہ معارف، ڈاکٹر جمشید احمد ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء

۴۔ اشاریہ معارف، محمد سہیل شفیق، قرطاس کراچی، ۲۰۰۵ء

۵۔ افاداتِ مہدی، بیگم مہدی افادی، شیخ مبارک علی لاہور، ۱۹۴۹ء

۶۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، ابوعلی اثری، عبدالمجید کھوکھر لائبریری، گجرانوالہ ۲۰۰۵ء

۷۔ تاریخ بندول، محمد رضی چودھری، بندول،

۸۔ تاریخ ندوۃ العلماء، اول و دوم، مولانا محمد اسحاق جلیس ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنو، ۲۰۱۱ء

۹۔ تذکرہ خاندانِ عزیزی، سید ظل الرحمٰن، شفاء الملک میموریل سوسائٹی علی گڑھ، ۱۹۷۸ء

۱۰۔ تذکرہ علمائے اعظم گڑھ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، دیوبند، طبع دوم، ۲۰۱۲ء

۱۱۔ تفہیم شبلی، ڈاکٹر ارشاد نیازی، ایم، آر پبلی کیشنز دہلی، ۲۰۱۳ء

۱۲۔ جگر بسوانی حیات اور کارنامے، ڈاکٹر محمد صغیر عالم بسوانی، ادارہ تحقیق وتنقید سیتاپور ۲۰۰۱ء

۱۳۔ حیات جاوید، خواجہ الطاف حسین حالی، دہلی۔

۱۴۔ حیات شبلی، سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء

۱۵۔ خطوط شبلی، امین زبیری، ظل السلطان بک ایجنسی، بھوپال

۱۶۔ خطوط شبلی بنام آزاد، سید محمد حسنین، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۱۷۔ دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات، محمد الیاس الاعظمی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۲۰۰۲ء

۱۸۔ ذکر فراہی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر، ۲۰۰۱ء

۱۹۔ روداد ندوۃ العلماء لکھنو: [متعدد رودادیں]

۲۰۔ روداد جلسہ عطائے سند دارالعلوم ندوہ العلما لکھنو، مارچ ۱۹۰۷ء

۲۱۔ سرسید وایم اے او کالج اور دینی و مشرقی علوم، پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی، ۲۰۰۱ء

۲۲۔ سفر نامہ روم ومصر وشام، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۱۹۹۱ء

۲۳۔ شبلی سخنوروں کی نظر میں، محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء

۲۴۔ شعرالعجم حصہ چہارم، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء

۲۵۔ عکس واثر، محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء

۲۶۔ فتاوی ارشادیہ جلد اول، مرتبہ مولانا عبدالغفار خاں رامپوری، خانقاہ عنایتیہ مجددیہ، رامپور طبع دوم ۱۹۹۷ء

۲۷۔ کتابیات شبلی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین عظم گڑھ، ۲۰۱۱ء

۲۸۔ کلیات مکاتیب اقبال [۱-۴] سید مظفر حسین برنی، اردو اکادمی دہلی، ۲۰۱۰ء

۲۹۔ گوہرین نامہ، محمد احسن اللہ خاں ثاقب، انوار المطابع لکھنو، ۱۳۴۱ھ

۳۰۔ لسان الصدق، ایڈیٹر: ابوالکلام آزاد دہلوی، مرتبہ ڈاکٹر عبدالقوی دسنوی، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۸۸ء

۳۱۔ مجالس حسنہ، مولانا فیصل احمد بھٹکلی، ادارہ احیائے علم وادب لکھنو، ۲۰۱۱ء

۳۲۔ مشاہیر...... اور پنجاب، عزیز علی شیخ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۲ء

۳۳۔ مشاہیر کے خطوط بنام مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین عظم گڑھ،۱۹۹۲ء

۳۴۔ معاصرین، مولانا عبدالماجد دریابادی، ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ،۱۹۷۹ء

۳۵۔ مکاتیب شبلی حصہ اول، سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ۲۰۱۰ء

۳۶۔ مکاتیب شبلی حصہ دوم، سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ۲۰۱۱ء

۳۷۔ مکاتیب فراہی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر،۱۹۹۴ء

۳۸۔ مکاتیب مولانا ابوالکلام آزاد، ابوسلمان شاہ جہاں پوری، اردو اکیڈمی، سندھ،۱۹۶۸ء

۳۹۔ مکاتیب مہدی، بیگم مہدی، لاہور

۴۰۔ مکتوبات شبلی، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۴۱۔ مکتوباتی ادب، ڈاکٹر شمس بدایونی، بریلی،۲۰۱۰ء

۴۲۔ مولانا محمد علی جوہر ایک عہد ساز شخصیت، معصوم عزیز کاظمی، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۲۰۱۱ء

۴۳۔ نقوش لاہور، مدیر محمد طفیل، شخصیات نمبر ا، ادارہ فروغ اردو لاہور،۱۹۵۴ء

۴۴۔ نقوش لاہور، مدیر محمد طفیل، شخصیات نمبر ۲، ادارہ فروغ اردو لاہور،۱۹۵۶ء

۴۵۔ وفیات اہل قلم، ڈاکٹر منیر احمد سلیچ، اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۰۸ء

۴۶۔ یادرفتگاں، مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۳ء

۴۷۔ یادگار شبلی، شیخ اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور،۱۹۹۲ء

رسائل

۴۸۔ البصیر چنیوٹ [شبلی نمبر] اسلامیہ کالج چنیوٹ،۱۹۵۷ء

۴۹۔ آج کل دہلی، ماہنامہ: جون، ستمبر ۱۹۶۳ء

۵۰۔ ادیب علی گڑھ، ماہنامہ: جولائی اگست، نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء

۵۱۔ اردو ادب، علی گڑھ، شمارہ نمبر ا، ۱۹۷۰ء

۵۲۔ الندوہ لکھنؤ، ماہنامہ: جنوری ۱۹۰۸ء، اکتوبر ۱۹۰۷ء، اکتوبر ۱۹۰۹ء، اگست ۱۹۱۰ء، مئی ۱۹۱۲ء

۵۳۔ تہذیب الاخلاق، ماہنامہ، علی گڑھ، مشاہیر نمبر جلد چہارم، مئی ۲۰۱۳ء

۵۴۔ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ، ماہنامہ، اکتوبر ۲۰۱۱ء

۵۵۔ معارف اعظم گڑھ، ماہنامہ: ستمبر ۱۹۱۶ء، دسمبر ۱۹۱۶ء، اپریل ۱۹۱۷ء، جولائی ۱۹۱۷ء، فروری ۱۹۱۸ء، اگست ۱۹۱۹ء، دسمبر ۱۹۵۳ء، فروری ۱۹۶۵ء، اگست ۱۹۷۶ء، جون ۱۹۸۸ء، مئی ۲۰۰۸ء

شبلی شناسی

متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں اور آثار شبلی کے بعد اب مکتوبات شبلی، قیامت دم لے یا نہ لے لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہیں کہ شبلی شناسی کی راہ میں سفر مدام میں مبتلا ہیں۔ اہل علم ابتک غالب شناسی و اقبال شناسی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، لیکن مولانا شبلیؒ ان بزرگوں سے کم نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شبلی پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن جس جوش و جذبہ اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے، وہ قابل صد تحسین و آفریں ہے اور اس شعر کا معنوی مصداق بھی:

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

پروفیسر خورشید نعمانی رودولوی